شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیر حیات

۸ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ||| قیمت فی پرچہ ۲۵ پیسے

Regd. No. L-1951
FORTNIGHTLY
Phone 22948
TAMEER-E-HAYAT
Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت و تاریخ وادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جس جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

منشورات

از مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاہلی شعروں کا انتخاب کیا ہے [illegible]

قیمت ۔۔۔

الأدب العربي
بين عرض ونقد

از مولانا محمد رابع ندوی، (ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض ونقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔

اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔

ادب کی حقیقت ❊ تنقید و تجزیہ ❊ ادبی نمونے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔

(قیمت صرف چار روپے)

مسئلۂ ختم نبوت ـــ علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلۂ ختم نبوت نہ صرف کی دلنشین انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدۂ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ نادر تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے! قیمت: ۲ روپے ۲۵ پیسے

معلم الانشاء

(از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی)

[illegible]

حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵
حصہ دوم ” ” ” ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) ” ۲/۵۰

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت سفیان ثوریؒ کا خط خلیفہ ہارون رشید کے نام

بندۂ ناچیز سفیان کی طرف سے، امیدوں کے فریب خوردہ اس ہارون کے نام جس سے حلاوت ایمان اور قرآن کی لذت چھن چکی ہے۔ امابعد۔ میں نے تم سے رشتہ کاٹ لیا محبت ختم کردی۔ تم نے خط بھیجکر مجھے اپنے خلاف گواہ بنالیا تم نے مسلمانوں کا مال انکی مرضی کے بغیر بے محل صرف کیا، کیا تمہارے اس عمل سے وہ لوگ جو تالیف قلب کے مستحق تھے نیز مجاہدین اہل علم، یتیم اور بیوائیں اور عمال حکومت مطمئن اور خوش ہونگے۔ تم اس سوال کا جواب تیار کر رکھو، عذاب خداوندی سے بچنے کے لئے کوئی چادر ڈھونڈھ لو، جلد ہی تم قادر مطلق اور عادل حاکم کے سامنے کھڑے ہوگے، رعیت کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ امت کے بارے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال کرو اس صورت میں تم کیا منہ دکھاؤ گے جبکہ زہد تقویٰ، تلاوت قرآن اور نیکوکاروں کی ہم نشینی کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہو، اور اپنے کو ظالم اور ظالموں کا قائد بنا لیاہے، اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، تم پر کیا بیتے گی، جب قادر مطلق کا منادی آواز دیگا کہ ظالموں کو ان کے معاونین کو جمع کرو۔ ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تم خدا کے سامنے اسطرح آؤ گے کہ تمہارے ہاتھ تمہاری گردنوں سے بندھے ہوں گے اور ان کو تمہارے عدل و انصاف اور غربا پروری کے سوا کوئی طاقت کھول نہ سکے گی، تمہارے آگے پیچھے ظالموں کا گروہ ہوگا اور تم ان کے امام ہوگے۔ اور انھیں لے کر آگ کیطرف چلوگے، اپنی نیکیوں کو دوسروں کی ترازو میں رکھوگے اور دوسروں کی برائیوں کو اپنی ترازو میں پاؤ گے۔

ہارون! خلافت تمہارے پاس سے غیر کے پاس جانے والی ہے اس دنیا کی یہی ریت ہے، یہاں کوئی خوش نصیب ہوتا ہے، اس سے اپنی آخرت سنوار لیتا ہے، کوئی ہوا و ہوس کا بندہ ہوتا ہے، اس سے اپنی دنیا و آخرت دونوں برباد کرتا ہے۔ تم اپنے بارے میں سوچ لو، نفع اٹھانیوالوں میں ہو کر نقصان"۔

(تفصیل ص۱۵ پر ملاحظہ کریں)

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ ؍؍
فی کاپی ۳۵ پیسے

پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جلد ۷ شمارہ ۲۳

۸؍ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ
مطابق
۱۰؍ اکتوبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمالؔ عبدالناصر

شخصیت اور کردار کے آئینہ میں

محمد الحسنی

جمال عبدالناصر کے انتقال پر بعض حلقوں میں جس طرح سوگ منایا گیا۔ اور ان کو غازی اسلام صلاح الدین ایوبی، محسن انسانیت اور بطل حریت جیسے مختلف خطابات سے نوازا گیا ہے، وہ اس لئے قابل مذمت اور قابل افسوس ہے کہ اس میں زیادہ تر دخل بے خبری اور بے بصری کا ہے، ان لوگوں کا مبلغ علم اور منتہائے نظر اس سلسلہ میں چائے کی پیالی یا پان کی ڈبیہ کے ساتھ صبح کے اخبار سے زیادہ نہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ "ٹائمز آف انڈیا" اور "اسٹیٹسمین" تو یہ لکھیں کہ ناصر کے انتقال سے اسلامی اتحاد کی قوتوں کے دوبارہ احیاء کا خطرہ ہے اس لئے کہ وہی اس کی راہ میں سنگ گراں تھے۔ اور ہندوستان کے ارباب علم و دانش ان کو اتحاد اسلامی کا داعی، ملت کا محسن وغیرہ وغیرہ قرار دیں۔ مندرجہ ذیل مضمون کوئی نیا اور تازہ نہیں لیکن اس میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے ہم مسئلہ کی اصل نوعیت انشاء اللہ سمجھ سکیں گے۔ اس وقت جبکہ بعض لوگ (لا یغرنک تقلبهم فی البلاد اور اذهبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا الآیہ) کے قرآنی اعلان اور تنبیہ و تصریح کے باوجود محض ان کے دنیاوی دور دورہ، صحافتی پروپیگنڈہ سے مرعوب ہو رہے ہیں ہمیں ذرا سنجیدگی اور ٹھہراؤ کے ساتھ مسئلہ کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے

ادارہ

اختلاف کی پہلی بنیاد

عربی قومیت سے ہمارے اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ وہ اسلام کی حریف اور نبوت محمدیؐ کی رقیب بن چکی ہے، وہ محض حب الوطنی، جذبۂ آزادی اور استعماری قوتوں سے نفرت کا مظہر نہیں جیسا کہ عام طور پر سادہ لوح اور غلط مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ اس نے ان جذبات کے سہارے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک نئے اور متوازی مذہب کی داغ بیل ڈالی ہے۔ جو اب تک نبوت محمدی (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے حساب پر پھلتا پھولتا رہا۔ اسی طرح جمال عبدالناصر سے ہمارے اختلاف کی اساس یہ ہے کہ وہ اس وقت اس نئے مذہب کے سب سے بڑے علمبردار اور سب سے بڑے ذمہ دار ہیں اور ان کی شخصیت اس کے ساتھ اسطرح گھل مل گئی ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرکے صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے، عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر جب مصر کی مجلس الامۃ نے جمال عبدالناصر کو کلی اختیارات سپرد کئے تو اس وقت انور السادات صدر مجلس نے تقریر کرتے ہوئے ان کے متعلق یہ الفاظ کہے تھے۔

المصهر تاريخه في قلب التاريخ الحديث للامة العربية حتى اصبحا شيئا واحدا هو الارادة الثورية العربية القوية والقادرة على صياغة الحياة من جديد

ان کی تاریخ عرب قوم کی جدید تاریخ کے قلب میں ڈھل گئی ہے اور وہ دونوں بجا طور پر ایک چیز بن گئے ہیں وہ بے طاقت ور انقلابی عزم و ارادہ جو اپنی آرزوں (امنگوں) کے مطابق زندگی کو از سر نو ڈھالنے پر قوی اور قادر ہے۔

نیا مذہب

یہ نیا مذہب فرعونی تہذیب پر فخر، قومیت کے جاہلی اور ملحدانہ تصور (کمی) اشتراکیت اور جاسوسی و دہشت پسندی کے ستونوں پر قائم ہے اور یہی اس کے حدود اربعہ ہیں، ناصر اور جبہ ہیں اس کے نبی جمال عبدالناصر، اس کا صحیفہ آسمانی "میثاق وطنی" (مصر کا مشہور قومی منشور) اور اس کے حواری "انقلابی قیادت" کے ممبر، اخبار و رسائل کے ایڈیٹر اور صوت العرب کے اناؤنسر ہیں، اس نے عربی قومیت کو سمجھنے کے لئے۔ جمال عبدالناصر اور ان کے افکار و خیالات اور جذبات و رجحانات کو سمجھنا ناگزیر ہے۔

شاہ کلید

جمال عبدالناصر کی شخصیت ان کے افکار (خیالات) بیانات و علانات اور ان کے طریقہ کار کے مطالعہ سے بیلا تامل یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہ کمیونسٹ ہیں نہ سوشلسٹ نہ رجعت پسند ہیں نہ ترقی پسند، وہ سب سے پہلے انانیت پسند ہیں جس کو قرآن مجید میں فرعون کی زبان سے "انا ربکم الاعلیٰ" (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کہا گیا ہے۔

"انا ربکم الاعلیٰ" وہ شاہ کلید ہے جس کو لگاتے ہی ان کی پراسرار شخصیت کے پردے ایک ایک کرکے اٹھنے لگتے ہیں اور ان کی شخصیت ان کے محبوب فرعون کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی چلی جاتی ہے۔

۱؎ انقلاب مصر کے وقت جمال عبدالناصر کی رفقاء کی پوری ٹیم میں اب شاید یہی صرف دو نام باقی رہ گئے ہیں، ایک انور السادات، ایک حسین الشافعی، یہ اسی انا ولا غیری کا اثر ہے جو ان کی زندگی کا سب سے نمایاں کردار رہا ہے۔

ایک مسلمان کے لیے تو سب فخر کا کوئی موقع اگر ہے تو وہ یہ ہے اس عہد زریں پر فخر کرتا ہے جس کا آغاز غار حرا سے ہوا تھا۔ وہ قرون اولیٰ کی اس اسلامی تاریخ پر فخر کرتا ہے جس سے دنیا کی نئی عمر شروع ہوئی وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی بلکہ ان کے غلاموں کی غلامی کو اپنی آخری سرفرازی سمجھتا ہے۔ لیکن جمال عبد الناصر کو سب سے زیادہ دلچسپی فرعونی تہذیب اور فرعونی تمدن سے ہے اور وہ اپنی تاریخ کی جڑیں تیرہ سو برس پہلے نہیں سات ہزار برس پہلے تلاش کرتے ہیں۔

۹ مئی ۶۷ء کو جب مصر کی فوجیں سینا کی اگلی صفوں میں مورچہ بند تھیں اور خلیج عقبہ کی ناکہ بندی کی جا چکی تھی اور فیصلہ کن لمحہ آپہنچا تھا اس وقت بھی ان کو اگر کوئی چیز یاد آئی تو وہ یہی ۷ ہزار سالہ تہذیب تھی رمسیس (فرعون موسیٰ)، توت عنخ آمون نفرتیتی اور خوفو کی تہذیب، وہ تہذیب جس کے ساتھ لعنت و ذلت اور تباہی دنیا کا بھی قرآن مجید کے ذریعہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دی گئی ہے عرب مزدور کانفرنس کے ایک وفد سے (جو دمشق سے ان کے پاس آیا تھا) باتیں کرتے ہوئے انھوں نے اس نازک موقع پر یہی حوالہ دینا کافی سمجھا، انھوں نے اپنی اہمیت اپنی قوت اور اپنے شاندار ماضی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

فرعونیت کا ذوق

احنا دول لها قيمة ودول في مكان فهيم في العالم ودول عندها حضارة من آلاف السنين ... سنة من التاريخ۔

ہمارے ملک بہت قیمت رکھتے ہیں، یہ ملک دنیا کے اہم حصوں میں واقع ہیں ان ملکوں کے پیچھے ہزاروں برس کی تہذیب ہے، سات ہزار برس کی تاریخ ہے۔[1]

(الشباب العربی: ترجمان الاتحاد الاشتراکی" قاہرہ ۲۹ مئی سنہ ۶۷ء)

دمشق کے نام نے بھی (جس کے ساتھ ایک تابناک اسلامی تاریخ وابستہ ہے) ان کے دل میں اس کی تحریک پیدا نہیں کی کہ وہ اسلامی تاریخ اسلامی فتوحات اور اسلامی فاتحین کی طرف کم از کم ایک ہلکا اشارہ ہی کرتے جائیں، اس کے برخلاف اپنے فضائل و مناقب اور اپنی تیاریوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا

بالعامل العربي وبالعمل العربي نستطيع ان نعمل الكثير، وداجزء اساسي من معركتنا

عرب محنت کش اور مزدور اور عربی جدوجہد کے ذریعہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں اور یہ ہماری لڑائی کا بنیادی جزء ہے۔

۱؎ سات ہزار برس کی یہ تہذیب سات دن سے کم میں کس طرح داغ فرار بنکر رہ گئی اس کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔

اس پوری تقریر میں ایک جگہ اسلام، اسلامی تاریخ اسلامی فتوحات، اسلامی روایات کا ذکر نہیں البتہ روس کا ذکر بہت شاندار الفاظ میں ہے اور اس کے لئے جو الفاظ انھوں نے استعمال کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پورا یقین تھا کہ جس طرح ۵۶ء میں بلگانن کی زبردست دھمکی سے برطانیہ کو پیچھے ہٹنا پڑا، اس مرتبہ بھی اس کی مداخلت سے سارا معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔

موقف الاتحاد السوفييتي كان ايضا موقفا كبيرا موقفا عظيما لان الاتحاد السوفييتي ايد العرب وايد الامة العربية بل قال انه هو سيقاوم مع العرب ومع الامة العربية اي تدخل واي عدوان النهارده لازم كل عربي يعرف مين هو العدو ومين هو الصديق؟

سوویت یونین کا موقف بھی بہت اچھا تھا، ایک شاندار موقف اس لئے کہ سوویت یونین نے عربوں کی تائید کی ہے۔ بلکہ اس نے یہ تک کہا ہے کہ وہ عربوں اور عرب قوم کے ساتھ مل کر ہر قسم کی مداخلت اور ہر قسم کی جارحیت کا مقابلہ کرے گا۔ آج ہر عرب پر یہ لازم ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اس کا دشمن کون ہے اور دوست کون۔؟

(الشباب العربی ۲۹ مئی سنہ ۶۷ء)

"الشباب العربی" (جو مصر کی واحد سرکاری جماعت عرب سوشلسٹ یونین کی طرف سے قاہرہ سے شائع ہوتا ہے) کے اسی شمارہ میں ایک انٹرویو بھی شائع ہوا ہے جو جمال عبدالناصر نے اور غیر ملکی صحافیوں کو دیا تھا، "فرانس سوار" کی خاتون نامہ نگار نے ان سے پوچھا کہ یہ جانتے ہوئے کہ بڑی طاقتیں اسرائیل کو ختم کرنے کی اجازت کسی صورت میں نہیں دے سکتیں آپ نے مسئلہ کے آخری حل کے لئے آخر کیا سوچا ہے؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے اپنے اسی عربی عزم و ارادہ کو دوہراتے ہوئے جس کا ذکر انور السادات کے اقتباس میں گزرا ہے پھر اسی محبوب تہذیب کا حوالہ دیا ہے جو اہرام مصر ابوسمبل کے مندر اور فراعنہ کے مقبروں میں دفن ہے۔ انھوں نے کہا:۔

احنا العرب شعب عريق، لنا حضارة متدينة ۷۰۰۰ آلاف سنة حضارة نستطيع ان نصبر وما ننساش بسهولة

ہم عرب بہت ہی قدیم قوم ہیں، ہماری ایک قدیم تاریخ ہے، تہذیب کے سات ہزار برس کی تاریخ ہم صبر کر سکتے ہیں اور اسکو آسانی سے بھلا نہیں سکتے۔

(الشباب العربی ۲۹ مئی ۱۹۶۷ء)

ان اقتباسات سے جہاں فرعونیت سے ان کی بے پایاں عقیدت و محبت ظاہر ہوتی ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دور کو اسی فرعونی دور کا امتداد اور تسلسل سمجھتے ہیں جو ہزاروں برس پہلے قائم تھے۔ اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اتنی عظیم اور قدیم تہذیب کے انتساب اور سوویت یونین کے اس "بہت اچھے اور شاندار موقف" کے بعد فتح و کامرانی ضرور ان کی ہمرکاب ہوگی۔"

مصری جدوجہد کی جڑیں

ان افکار و خیالات کو ذرا اور وسیع پس منظر میں دیکھیے اور ان کا تجزیہ کرنے کے لئے ہمیں ذرا پیچھے لوٹنا ہوگا، "نحن ابناء الفراعنة"[2] اور "مصر تحكم نفسها بنفسها لاول مرة منذ الفي سنة"[3] مصریوں کو دو ہزار سال بعد اپنے اوپر خود حکومت کرنیکا موقع ملا۔

پھر ان اقتباسات سے جو ابھی پیش کئے گئے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک خاص نقطۂ نظر ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام کو بھی باریابی کی اجازت ملتی ہے، لیکن کس طرح؟

مصر کا قومی منشور "المیثاق الوطنی" قومیت عربیہ کی اہم دستاویز ہے وہ قومیت کے مبلغوں اور داعیوں کی نظر میں "انقلابی عرب فکر اور سوشلسٹ منصوبہ بندی کا مصر کی زندگی کے لئے بڑا عطیہ، اقوام عالم کے افکار میں نیا اضافہ، انسانی تجربات کا زندہ خزانہ اور انقلابیوں کا دائمی رہنما ہے[4] اور اس نے انقلابی عرب نظریہ کی فلسفیانہ بنیاد فراہم کی ہے اور آسمانی مذاہب کے سلسلہ میں سائنٹفک اور انسانی نقطۂ نظر اپناتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مذاہب اور پیغام دراصل اہم سماجی انقلابات کا دوسرا نام ہیں۔ یہ ایک سوشلسٹ انسان کے رفیق و دمساز اور انقلابی ضمیر کے روحانی مربی کی حیثیت رکھتے ہیں[5]۔

تاریخ کا فرعونی تصور

اس قومی منشور کا تیسرا باب "جذور النضال المصری" (مصری جدوجہد کی جڑیں) کے عنوان سے شروع ہوا ہے اور اس میں بڑی ہنرمندی اور صفائی کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ جدوجہد بڑا وسیع پس منظر رکھتی ہے۔ اور اس کو اپنے قدیم ماحول، اپنی مختلف تہذیبوں اور مختلف تاریخی ادوار سے علیحدہ نہ کرنا چاہیے اور نہ ایسا کرنا ممکن ہے، وہ فرعونی تاریخ کو مصری اور انسانی تہذیب کی اولین معمار قرار دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس تاریخ کے مطالعہ نیز رومی اور یونانی اقتدار کے واقعات و تغیرات سے یہ بات ثابت ہے کہ مصر شعوری اور غیر شعوری طریقے سے اس پوری تاریخ سے متاثر ہے اور اس کا اس کی زندگی کی تعمیر میں اہم حصہ ہے۔ اسلام نے اپنے دور میں اسی حقیقت کو اور نمایاں کیا ہے اور اس کے نشانات اور زیادہ واضح اور روشن کر دیئے ہیں۔

۱؎ انکی مزید تفصیل و شواہد آگے آرہے ہیں۔
۲؎ ہم فرعون کی اولاد ہیں۔
۳؎ دیکھیے "من جمال عبدالناصر" مقالۃ الشیخ محمد محمود الصواف دعوت کبار علماء العراق
۴؎ مقالہ "مع المیثاق الوطنی" الشباب العربی قاہرہ ۱۳ اپریل ۶۶ء
۵؎ ایضاً۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں انھوں نے اسلام کو اس قدیم تہذیب کے خدمتگار یا مددگار یا زیادہ سے زیادہ ایک طرحدار کی حیثیت دی ہے، اور درحقیقت یہی وہ طرز فکر ہے جس نے قومیت عربیہ کے اس پیکر سے اسلامی تاریخ کی اولیت و انفرادیت اسلامی عقیدہ کی ابدیت اور نبوت محمدی کی رفعت و عظمت سلب کر لی ہے۔ اس نے کھل کر اس کے خلاف بغاوت کی دعوت تو نہیں دی لیکن باغیوں کے لئے اس کا راستہ پوری طرح متعین اور صاف کر دیا ہے بلکہ ان کے لئے جا بجا ایسے قائد مقرر کر دیئے ہیں جو ان کی برابر رہنمائی اور ہمت افزائی کرتے رہیں اور جو بات دبی زبان میں کہی گئی ہے اس کو ڈنکے کی چوٹ پر کہتے رہیں۔

یہاں "جذور النضال المصری" کا وہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں مصر کی اس جدوجہد حریت کی جڑوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

ومصر بالذات لم تعش حياتها في عزلة من المنطقة المحيطة بها، بل كانت دائما بالوعي، وبلا وعي في بعض الاحيان، تؤثر فيما حولها وتتأثر به، كما يتفاعل الجزء مع الكل. وتلك حقيقة ثابتة تظهرها دراسة التاريخ الفرعوني صانع الحضارة المصرية والانسانية الاولى كما تؤكدها بعد ذلك وقائع عصور السيطرة الرومانية والاغريقية

مصر خود اپنے گرد و پیش سے علیحدہ اور منقطع نہ رہ سکا وہ لاشعوری طور پر اور کبھی شعور کے ساتھ اپنے ماحول سے متاثر ہوتا رہا، جس طرح ایک جزء کل کے ساتھ ہوتا ہے یہ ایک مسلم حقیقت ہے جس کو فرعونی تاریخ جو مصری اور انسانی تہذیب کی اولین معمار ہے اچھی طرح ظاہر کرتی ہے، اور رومیوں و یونانیوں کے دور تسلط کے واقعات اس کو مزید مؤکد کرتے ہیں۔

وكان الفتح الاسلامي ضوءا ابرز هذه الحقيقة وانار معالمها ووضع لها ثوبا جديدا من الفكر والوجدان الروحي وفي اطار التاريخ الاسلامي وعلى هدى من رسالة محمد صلى الله عليه وسلم — قام الشعب المصري باعظم الادوار دفاعا عن الحضارة والانسانية

فتح اسلامی بھی ایک ایسی روشنی تھی جس نے اس حقیقت کو اور نمایاں کیا اور اس کے نشانات روشن کئے اور اس کو فکر اور روحانی وجدان کا نیا لباس دیا، پھر تاریخ اسلامی کے دائرہ میں نیز پیغام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رہنمائی میں مصری قوم نے تہذیب و انسانیت کے لئے" دنیا کے لئے سب سے بڑا کردار ادا کیا۔!

(المیثاق الوطنی)

تاریخ کے اس تصور اور اسلام کی اس ثانوی حیثیت نے مصر جدید کو نبوت محمدی کی تحقیر و اہانت اسلام سے علانیہ بغاوت، دینی شعائر کے استخفاف تمرد و سرکشی اور بے حیائی و دہریت کی اس منزل تک پہونچا دیا ہے جس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے اور جس کی چند جھلکیاں اور تصویریں آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی۔

کون نہیں سمجھ سکتا کہ اسلام کا ذکر اس پورے قصہ میں محض سخن گسترانہ آیا ہے۔ اور اس لئے آیا ہے کہ اس کے بغیر ایک ایسے ملک کی سربراہی بہر حال دشوار ہے جو عالم عربی کا امام سمجھا جاتا ہے اور جہاں کے مخلص اور سادہ دل عوام اب بھی اسلام کے گرویدہ ہیں۔ اور صرف یہی زبان سمجھتے ہیں۔

فرعون کی گاڑی کے قلی

صدر ناصر کی کابینہ کے سابق وزیر قومی رہنما اور مشہور قوم پرست صاحب قلم فتحی رضوان نے اپنے ایک مضمون میں جو "المصور" قاہرہ میں شائع ہوا ہے پوری اسلامی تاریخ کو فرعونیت کا تتمہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور یہ کہا ہے کہ عرب بھی دراصل فراعنہ کی اولاد ہیں اور انھوں نے تہذیب کے اس شعلے کو جو مصریوں نے روشن کیا تھا، دوبارہ ضیا بخشی، وہ بڑی نادر اجارت کے ساتھ صاف لکھتے ہیں۔

من الخطر ان لا نعلم ان الحضارة اول ما ولدت ولدت في مصر وان المصريين وهم بحيث الدم (اقرب ما يكونون من عرب اليوم) نقلوها الى الامم حتى اذا ما تدهورت حضارة اليونان والرومان، عاد العرب، وهم احفاد المصريين القدماء الى اشعال جذوة تلك الحضارة

(المصور قاہرہ)

یہ بہت خطرناک بات ہے کہ ہم یہ نہ جانیں کہ تہذیب پہلے پہل جب بھی پیدا ہوئی مصر میں پیدا ہوئی، اور یہ کہ ان مصریوں نے جو خون کے رشتہ سے آج زیادہ سے زیادہ عرب کہے جا سکتے ہیں تہذیب کو دوسری قوموں تک پہونچایا یہاں تک کہ جب یونانیوں اور رومیوں کی تہذیب کو بھی زوال ہو گیا تو یہی عرب جو ان قدیم مصریوں کی اولاد و احفاد میں ہیں پھر میدان میں آئے اور انھوں نے اس تہذیب کی دبی ہوئی چنگاری کو پھر سے روشن کیا:۔

یہ اسی "عظیم اسلامی کردار" کی اصل تشریح ہے جو جمال عبدالناصر کے نظریہ فرعونیت کے پرجوش وکیل اور ان کی وزارت میں قومی رہنمائی کے وزیر رہے ہیں اور جس میں اسلام کو اوسطی گاڑی کا قلی نہیں بلکہ اس فرعون مصر کی گاڑی کا قلی بنانے کی تاریخی جسارت کی گئی ہے جس کے متعلق قرآن مجید کا یہ اعلان ہے کہ:

يقدم قومه يوم القيامة فاوردهم النار وبئس الورد المورود، واتبعوا في هذه الدنيا لعنة ويوم القيامة بئس الرفد المرفود

قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا ان کو جہنم تک لے جائے گا اور بری گھاٹ ہے وہ جانے کی ... اور ہم اس دنیا میں بھی لعنت اس کے پیچھے لگا دی گئی اور آخرت میں بھی کیا برا چڑھاوا ہے جو ساتھ لگایا گیا ہے۔

احیاء فرعونیت

اس کا ثبوت فرعونیت کا وہ احیاء ہے جو پوری قوت کے ساتھ مصر میں جاری ہے، ڈاک کے ٹکٹوں، مجسموں اور ڈراموں، فلموں، تصویروں اور کتابوں کے ذریعہ رمسیس، توت عنخ آمون اور نفرتیتی وغیرہ کو زندہ جاوید بنانے اور قوم کی عظمت رفتہ کا رمز ثابت کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے اور خاص طور پر اس فرعون موسیٰ (رمسیس) کو جسے ... کہتے ہیں اور جس کے متعلق قرآن مجید کی آیات ابھی ہم نے پڑھی ہیں، اس کے مجسمے مصر کی اہم شاہراہوں اور چوراہوں پر جس طرح نصب کئے گئے ہیں وہ اب کسی سے مخفی نہیں لیکن صوت العرب کے ڈائرکٹر اور عالم عربی کے محبوب اناؤنسر احمد سعید نے باسم العروبة وباسم مجد العرب (عربیت اور عربوں کی عظمت کے نام پر) اپنی شعلہ نوائیوں یا ہرزہ سرائیوں کا جو سلسلہ قائم کر رکھا تھا اس میں انھوں نے نام لے کر اور بالواسطہ طور پر اسلام کو سامراجیت رجعت پسندی اور باہمی خانہ جنگی کے مرادف قرار دیا۔ وہ مصری قوم کی لمبی زندگی کی داستان غم سناتے ہوئے بغیر کسی تردد کے پوری صفائی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں۔

هذا هو شعبنا ابن استعمار دام اكثر من الف سنة وابن رجعية عاشت اكثر من الف سنة وضحية احقاد وقدرية جاطول الف سنة بدأ يؤمن بنفسه

ہماری یہ قوم جو ایک ہزار برس سے زائد عرصہ سے غلام ہے ایک ہزار برس سے زائد زمانہ سے رجعت پسندی کا شکار ہے اور ایک ہزار برس سے خانہ جنگی میں مبتلا ہے اب اپنے اوپر ایمان لانے لگی ہے۔[1]

ایک ہزار سال سے پہلے سے لیکر عثمانی خلافت تک مصر میں جو دور تھا اس میں حضرت عمرو بن العاص سے لیکر عہد اموی، عہد عباسی، عہد ایوبی سب دور شامل ہیں اور یہی وہ تابناک عہد ہے جسے بلا کسی شرم اور جھجک کے سامراجیت، رجعت پسندی اور خانہ جنگی سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور یہ سب کچھ ان صاحب کی زیر صدارت ہو رہا ہے جن کو بہت سے لوگ اب بھی اسلام کا سچا اور مخلص خادم سمجھتے ہیں۔

اپنی اسی کتاب "القومیة العربیة ثورة وبناء" میں مصنف نے ایک مکالمہ بھی پیش کیا ہے جو جمہوریہ ...

۱؎ الحریۃ العربیۃ ثورۃ وبناء (مجموعہ خطبات) مولفہ احمد سعید ص ۲۳

ریڈیو اسٹیشن سے دعام دتا می، کے عنوان سے پوری قوت و بلند آہنگی کے ساتھ نشر کیا گیا۔ صوت العرب مصر کا وہ طاقتور ریڈیو اسٹیشن ہے جس نے قوم پرست عرب نوجوانوں اور نئی نسل کو نہ صرف مصر بلکہ پورے عالم عربی میں مسحور کر رکھا ہے اور ان کے دل و دماغ کو ان فرعونی خیالات اور جاہلی قومیت کی دعوت سے اس قدر مسموم کر دیا ہے کہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ یہ وہ ریڈیو اسٹیشن ہے جس کو اپنے نشریات میں کبھی بھول کر بھی اخی المسلم، اخی فی الاسلام، اخی فی العقیدہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی اور اس نے ہمیشہ صرف اس طرح خطاب کیا:

اخی العربی، اخی العربی	میرے عرب بھائی! میرے
فی سوریا، اخی العربی	عرب بھائی شام میں،
فی العراق، اخی العربی	عرب بھائی عراق میں،
فی لبنان، اخی العربی	عرب بھائی لبنان میں
فی کل مکان	اور ہر جگہ

اور اپنی نشریات کا آغاز جس کا نغمہ احمد سعید کی زبان سے اور مشہور ہو گیا ہے ہمیشہ اس جملہ سے کیا۔

(صوت العرب ینادی امۃ العرب)

اسلامی اثرات سے بیزاری

ریڈیو کے اس مکالمہ میں اس کے ڈائرکٹر اور شہرۂ آفاق اناؤنسر احمد سعید نے (یہ خیال رہے کہ احمد سعید کی مقبولیت کا عالم ان ممالک عربیہ میں یہ ہے کہ شاہ جمال عبد الناصر اور ام کلثوم کے بعد ان کا ہی نمبر ہے)، رجعت پسندی اور ترقی پسندی کی کشمکش کی تصویر کھینچی ہے اور اعلانیہ طور پر اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کی دعوت دی ہے۔ سلف صالح کی جگہ انھوں نے قدرتی طور پر اور مصلحتاً بھی (جیسا کہ خود سیاق و سباق سے ظاہر ہے) سلف قدیم کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے بعد بڑے اطمینان و بے خوفی کے ساتھ اس کو ہدف تنقید بنایا ہے اس مکالمہ کے بعد اس کا نتیجہ پیش کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں

وقصۃ السیدہ	سیدہ عامر اور تامر دمکالمہ کے
وعامر وثامر تشبہ	کردار، کا یہ قصہ ہماری پوری
قصۃ المجتمع و	سوسائٹی کے قصہ سے بہت مشابہ ہے
اجیالنا الحرجیۃ	جس میں ایک طرف وہ رجعت
التی نشأت علی ما	پسند نسلیں ہیں جو "سلف قدیم"
انشاھا علیہ السلف	کی دی ہوئی بنیادوں پر
القدیم، ثم جاھیرنا	قائم ہیں۔ دوسری طرف وہ
العاصرۃ التی تعیش	عام عوام اور جمہور ہیں
فی مطلع مرحلۃ	جو انسانی سوسائٹی کے
ھامۃ من مراحل	انقلاب و تغیر کے مراحل
تطور المجتمعات	میں سے ایک اہم مرحلہ سے
البشریۃ، وقد	گذر رہے ہیں۔ وہ ان
ضاقت بالاسالیب	روایات اور طرز زندگی اور
والانظمۃ التی	ان نظاموں سے عاجز اور
حدادھا السلف	بیزار ہو چکے ہیں جس کو سلف
القدیم للحیاۃ و	قدیم نے زندگی کی رہنمائی
وجدت فیھا قیودًا	کے لئے متعین کیا تھا۔
تعوق تطورھا	اس میں ان کو وہ بیڑیاں
وتقف دون ما	اور قیدیں نظر آتی ہیں جو
ترجوہ لنفسھا	ان کے انقلاب و تغیر کی
ولاجیالھا من حریۃ	راہ میں حائل ہیں اور
ورخاء والمجتمع	وہ اپنی نسلوں کے لئے
العربی الیوم یشھد	جو آزادی اور خوشحالی
صراعا جذریا بین جیلۃ	وہ چاہتے ہیں اس سے
الفتی واجیالہ المتخلفۃ	اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی
حول جوھر نظامہ و	ہے۔ عرب معاشرہ میں آج
ضرورۃ بقائہ اوانقضائہ	نئی نسل اور قدیم پسماندہ
حتی تقوم مجتمع جدیدلہ	نسلوں کے درمیان ایک کشمکش
انظمتہ واسالیبہ	برپا ہے یہ کشمکش اس پر ہے
واھدافہ الجدیدۃ	کہ اپنے نظام کے جوہر
فی الحیاۃ ـــ	کو باقی رکھا جائے یا اسکو بالکل
	ختم کر دیا جائے تاکہ ایک نئی
	سوسائٹی وجود میں آئے جو نئے
	نظاموں، طریقوں اور زندگی
	کے نئے مقاصد کی حامل ہو،

جدید فرعونیت کے نشیب و فراز

۱۹۵۲ء میں جب جمال عبد الناصر نے اپنی مشہور کتاب "فلسفۃ الثورۃ" لکھی تو اس وقت بھی ان کا ذہن اہرام مصر کے مہیب سایہ سے آزاد نہ تھا۔ یہ کتاب انھوں نے حج کے بعد لکھی ہے، حج میں انھوں نے پہلی بار عالم اسلام کا پھیلاؤ محسوس کیا تھا اور یہ دیکھا کہ اتنی بڑی طاقت سے فائدہ اٹھانا فرعونیت کے نعرہ کے ساتھ ناممکن ہے اس لئے کہ اس نعرہ کے ساتھ عرب ممالک بھی ان کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ اسلامی ممالک کا کیا سوال یہ وہ موڑ تھا جہاں سے انھوں نے عربی قومیت کا علم بلند کیا، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس کو اپنا لیا۔ یہ نعرہ انھوں نے "حزب البعث العربی الاشتراکی" سے لیا جو شام میں عرصہ سے ملحدانہ عرب قوم پرستی کی داعی ہے یا انھوں نے اس کو خود اپنے خاص نقطۂ نظر کے ساتھ پیش کیا یہ بحث فضول ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قومیت عربیہ کی اس دعوت کو اسلام کا نام لئے بغیر پیش کرنا ان کے لئے آسان تھا، اس طرح رفتہ رفتہ اس میں ملحدانہ خیالات اور فرعونی افکار کی آمیزش اچھی طرح کی جا سکتی تھی۔[2] اپنی کتاب "فلسفۃ الثورہ" کے آخری صفحات میں انھوں نے اپنی جدوجہد کو یقیناً تین دائروں میں تقسیم کیا ہے۔ عرب دائرہ، افریقی دائرہ، اسلامی دائرہ۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے اسلام کا کیا حق ادا کیا اس کا تناسب دیکھنے کے لئے ان کی ۳۵۵ تقریروں کے مجموعہ پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے جو بار یک انگریزی ٹائپ میں ۲۲۲ صفحہ پر پورا ہوا ہے اس کے انڈکس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ان سب تقریروں میں مجموعی طور پر صرف دو جگہ اسلام کا لفظ آیا ہے۔[1]

اس کے برخلاف فرعونی تہذیب کی عظمت ان کے دل و دماغ پر برابر چھائی رہی اور عرب اسرائیل جنگ جیسے نازک اور فیصلہ کن مواقع پر بھی وہ اسی کی دہائی دیتے رہے (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے)

ان کو ہمیشہ صرف اس بات سے دلچسپی رہی کہ وہ اقتدار جو مصریوں کے ہاتھ سے دو ہزار سال پہلے یونانیوں نے رومیوں نے اور پھر رومیوں سے فاتح اسلام عمرو بن العاص نے چھین لیا تھا وہ ان کو دوبارہ واپس ملے اور فرعونی تاریخ کے اس "شاندار دور" کا پھر آغاز ہو جس نے ان کے بقول مصری اور انسانی تہذیب کی بنیاد پہلی بار دنیا میں ڈالی تھی اور جس کے نشانات اپنے دور میں اسلام نے اکھاڑ کر اجاگر کئے تھے۔[2]

اپنی کتاب "فلسفۃ الثورہ" میں (جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے مصر کے قومی منشور "المیثاق الوطنی" سے کم نہیں بلکہ ..... اس حیثیت سے کہ اس میں جمال عبد الناصر کے خیالات خود ان کے قلم سے درج ہیں اس کی اہمیت اس سے زیادہ ہے) وہ اپنی جدوجہد کے اصل مقصد سے پردہ اٹھاتے ہوئے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ان ثورۃ ۲۳ یولیو	۲۳ جولائی کا انقلاب
ھی تحقیق للامل	در اصل اس آرزو کی تکمیل
الذی راود	کے لئے ہے جو مصری قوم کے
شعب مصر منذ	دل میں اس وقت موجزن
بدأ فی العصر	ہے جب سے اس نے
الحدیث، یفکر فی ان	اس دور جدید میں سوچنا
یکون حکمہ	سمجھنا شروع کیا ہے اور
بایدی ابنائہ	وہ یہ کہ اس کی حکومت
وفی ان تکون	اسی کے فرزندوں کے
لنفسہ الکلمۃ	پاس ہو اور اپنے مستقبل
العلیا فی مصیرہ[3]	و انجام کے بارہ میں اسی
	کی رائے بالاتر ہو۔

وہ اپنی جدوجہد کو مصر کی فرعونی تاریخ سے کسی قیمت پر علیحدہ کرنا نہیں چاہتے وہ یونانیوں کا ذکر بھی نسبتاً اچھی طرح کرتے ہیں، لیکن رومیوں کے حملہ اور اسلامی فتوحات کا ذکر وہ اس انداز میں کرتے ہیں جیسے وہ دونوں ایک ہی قسم کے واقعات ہوں۔

---

[1] جمال عبد الناصر کے خطبات (انگریزی) جلد متعلق ۱۹۵۸ء شائع کردہ وزارت اطلاعات قاہرہ ص۳۹۱

[2] المیثاق الوطنی ص۱۹

[3] فلسفۃ الثورہ ص۱ سلسلہ اخترنا لک طبع دار المعارف۔

[1] فلسفۃ الثورہ ص۲۲

[2] فلسفۃ الثورہ

فلسفۃ الثورہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وفی رأیی انہ لا	میری رائے یہ ہے کہ مصری فرعونی
یمکن اغفال	تاریخ کو کسی طرح نظر انداز نہیں
تاریخ مصر	کیا جا سکتا اسی طرح یونانی روح
الفرعونی، ثم	کا ہماری روح کے ساتھ امتزاج
تفاعل الروح الیونانی	کو بھی! پھر رومیوں کا حملہ اور
مع روحنا ثم غزو	اسلامی فتح اور عرب ممالک
الرومان والفتح	سے ہجرت کی وہ لہریں جو اس
الاسلامی، وموجات	کے بعد جاری رہیں
الھجرۃ العربیۃ	
التی اعقبتہ[1]	

جنگلی درندے

وہ ان عجمی مسلم فاتحین اور سلاطین و مجاہدین کا جنھوں نے عالم اسلام اور مرکز اسلام کی بڑے نازک وقت میں مدد کی اور صلیبی حملہ آوروں اور تاتاری وحشیوں دونوں کو شکست دینے کا سہرا ان ہی کے سر رہا، کوئی احسان ماننے پر تیار نہیں،

ان کا ذوق انا ربکم الاعلیٰ[2]

اور الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی[3] اس کو گوارا نہیں کرتا کہ تاریخ کے اتنے اہم واقعات کا سہرا ان عجمیوں کے سر رہے لیکن اسلام سے بے نیازی اور عربی قومیت کا نعرہ بلند کرنے کے لئے یہ دشواری بالکل قدرتی تھی اور اس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہ تھا۔ اس سے انھوں نے یہ کہہ کر چھٹکارا پا لیا کہ یہ سب در اصل عرب قومیت کی فتح تھی اور اس میں سب سے بڑا حصہ خود مصر کا تھا۔

۲۵ اپریل ۱۹۵۶ء کو آفیسرز کلب میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے صاف صاف کہا

"عرب قومیت کا جھنڈا دسویں صدی میں اس وقت بلند کیا گیا جب غیر ملکی طاقتوں (صلیبی حملہ آوروں) نے اس پر حملہ کیا، اس وقت لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے تحفظ و بقاء کا انحصار عربی قومیت پر ان کے مضبوط عقیدہ پر ہے اور صرف یہی چیز ان کو بچا سکتی ہے۔ اس وقت عرب قومیت کے دفاع کے لئے عرب سرزمین اور عرب تہذیب کی حفاظت کے لئے شامی بھی مصریوں کے شانہ بشانہ ہو کر لڑے یہ فتح ان کو اسی وقت حاصل ہو سکی جب انھوں نے یہ یقین کر لیا کہ عرب قومیت میں ان کی حفاظت کی ڈھال ہے اسی طرح جب تاتاریوں نے دنیا کے اس خطہ پر یورش کی اور بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد وہ شام میں داخل ہوئے اور مصر بھی خطرہ کی زد میں آ گیا اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ اس حملہ کا مقابلہ صرف عرب قومیت کے پرچم کے نیچے ہی رہ کر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور کامیابی حاصل ہوئی[1]

ان فتوحات کا سہرا عرب قومیت کے سر باندھنے کے بعد وہ اس کے بعد کی ساری تاریخ پر خط نسخ پھیر دیتے ہیں اور ان سب سلاطین، مجاہدین اور غازیوں کو جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ مصری نہ تھے، سامراجی ظالم و جابر، مصر کا خون پینے والے اور اس کو ذلیل و خوار قرار دیتے ہیں۔

صلیبی جنگوں کے ذکر کے ساتھ ان سامراجیوں کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:

... لقد حمل	ان صلیبی جنگوں کا زیادہ تر
شعبنا وحدہ معظم	بوجھ ہماری قوم نے برداشت
اعباء الحروب	کیا اور اس کے نتیجہ میں مفلس
الصلیبیۃ، فخرج	و فقیر اور خستہ حال ہو کر سامنے
بعدھا فقیرا	آئی ہے اس زمانہ میں جب
معدما منھوک[2]	اس کو اس معرکہ نے چور اور
القوی، وفی نفس	نڈھال کر دیا۔ پھر مغل اور ترکش
الوقت الذی	حملہ آوروں اور ظالموں نے کھود ڈالا
ھزتہ المعرکۃ	کی ٹاپوں نے پامال کیا، وہ
شاءت لہ الظروف	غلام بن کر مصر آتے تھے اور
ان یعانی الذل	مصر کے امراء و حکام کو ختم
تحت سنابک خیول[3]	کر کے خود اس ملک کے
الطغاۃ القادمین	حاکم بن جاتے تھے۔ وہ غلاموں
من المغول	(مملیک) کی حیثیت سے اسی
والشرکس	ملک میں بھگا دیئے جاتے
کانوا یجیئون	تھے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے
الی مصر عبیدا	وہ اس پسندیدہ و ہموار ملک
فیفتکون باسیادھم	کے بادشاہ بن جاتے تھے ان
ویصبحون ھم	کے زمانہ میں ظلم و غارتگری
الامراء، کانوا	اور ویرانی و وحشت مصر کی
لیساقون الیھا	ایک ایسی خصوصیت بن گئی
ممالیک فلا تلبث	جس کی ظلمت میں صدیوں
علیھم فترۃ	تک مصر کو رہنا پڑا ہے وہ
فی البلد الطیب	زمانہ تھا جب ہمارا وطن
الوادیع حتی	ایک جنگل بن گیا تھا۔
یصبحوا ملوکا	جس میں جنگلی درندوں
واصبح الطغیان	کی حکمرانی تھی۔ اور ـــ
والظلم والخراب	مالیک اس کو ایک بہترین
طابع الحکم فی	مال غنیمت سمجھ رہے تھے۔
مصر علی عھدھم	
الذی علقت	
مصر فی مجاھلہ	
قریبا طویلۃ	
تلک الفترۃ تحول	
فیھا وطننا الی	
غابۃ تحکمھا	
وحوش ضاریۃ	
کان الممالیک[4]	
یعتبرونھا	
غنیمۃ سائغۃ[5]	

صلیبی جنگوں کے بارے میں تاریخ کے اتنے بڑے حقیقت[6] سے قطع نظر جو مصر جیسے بڑے ملک میں اور فلسفۃ الثورہ" اور "المیثاق الوطنی" جیسی عالمی شہرت رکھنے والی دستاویزوں میں بولا گیا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ "جنگلی درندوں" کا یہ لفظ مختلف نسلوں اور قوموں کے مسلم فاتحین، مجاہدین اور سلاطین کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ پورا دور جو تقریباً چھ سو برس پر پھیلا ہوا ہے زیادہ تر عجمی سلاطین پر مشتمل ہے اس میں کرد بھی شامل ہیں اور سلجوقی بھی اور عثمانی ترک بھی اور یہ سب متحدہ عرب جمہوریہ کے لائق صدر کے نزدیک محض اس لئے جنگلی درندے کہے جانے کے مستحق ہیں کہ وہ باہر سے آ کر مصر پر قابض ہو گئے تھے۔

ہزاروں برس پرانی قومیت

وہ اس عرب قومیت کے قائل ہیں کہ جس کا رشتہ کسی نہ کسی زمانہ سے جوڑا جا سکتا ہو، وہ ہزاروں برس سے کم بات کرنا نہیں جانتے اور نہ اس سے کم ..... میں ان کی تسکین ہوتی ہے ۱۹۵۸ء میں انھوں نے اس کو ہزاروں برس پرانی قومیت کہہ کر مصریوں کو یہ احساس دلانا چاہا تھا کہ

---

[1] خطبات جمال عبد الناصر (انگریزی) جلد متعلق ۱۹۵۴ء ص۲۱۷-۲۱۸ (شائع کردہ وزارت اطلاعات قاہرہ)

[1] فلسفۃ الثورہ ص۲۲ (سلسلہ اخترنا لک)

[2] میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں (قرآن مجید)

[3] کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے قدموں کے نیچے بہتی ہیں (قرآن مجید)

[1] فلسفۃ الثورہ (سلسلہ اخترنا لک) ص۳۲

[2] تاریخ کا ہر طالب علم بلکہ ہر پڑھا لکھا مسلمان واقف ہے کہ صلیبی جنگوں کے اس فاتح کا نام سلطان صلاح الدین ایوبی ہے جو کردی اور غیر عرب تھا اور آذربائیجان کے علاقہ میں پیدا ہوا تھا اور اس کے لشکر میں لڑنے والے مصری نہیں زیادہ ترک، کرد اور شامی تھے اور اس نے اس لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد ہزار برس کی قدیم فرعونی تہذیب کا نعرہ نہیں لگایا تھا بلکہ یہ مشہور اور ایمان افروز تاریخی جملہ کہا تھا ھا انا ذا انتصر لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے رہا ہوں۔

اسی طرح ملک مصر الملک المظفر "قطز" نے جب عین جالوت کے مشہور معرکہ میں تاتاریوں سے لڑتے ہوئے اپنی خود سر سے اتار کر تین مرتبہ صدا لگائی تو اس نے واعروباہ نہیں بلکہ وا اسلاماہ کہا تھا ـــ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور فتح کی خبر سن کر سلطان فوراً اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ عبودیت و شکر کے طور پر اپنا چہرہ خاک پر رکھا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

قرآن کا پیام

مولانا عبد الماجد دریابادی

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّکَفَّلَهَا زَکَرِیَّا ۚ

اور وہ وقت یاد کرو جب عمران بیوی نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے تیری نذر مانی ہے اس بچہ کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا سو تو (اسے) مجھ سے قبول کر تو تو خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے (مریم) کو جنا تو بولی اے میرے پروردگار میں تو لڑکی جنی۔ اور اللہ خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے، اور لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں پھر اس کے پروردگار نے اس کو بوجہ احسن قبول کر لیا۔ اور اسے اچھا نشوونما دیا۔ اور اس کا سرپرست زکریا کو بنا دیا!

(بطور مناجات)

اِمْرَاَۃُ عِمْرٰنَ۔ یہ حضرت مریم کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی جدہ مادری تھیں۔ مسیحی نوشتوں میں ان کا نام حنہ (HANNA) آیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے۔ شام وغیرہ کے مسیحی علیا۔ کلیسائے حنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان کی قبر دمشق میں ہے

ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت عبادت کے لئے وقف رہے گا۔

حضرت مریمؑ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے [illegible] نذر مانی تھی اس کی بابت بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج تھیں۔ لیکن بزرگان کلیسا نے جب کاٹ چھانٹ کر کے "مستند" انجیل اربعہ مرتب کرنا شروع کیں تو ان مضامین اور بیانات کو ان سے [illegible] خارج کر دیا۔ اور ان کی شہادت آج انجیل کے اکابر دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو نیچیلک ڈکشنری نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائیبل جلد ۳ صفحہ ۲۸۸

نَذَرْتُ۔ مادہ "ادو میں" میں نے منت مانی ہے۔

لَکَ۔ میں لام تخصیص ہے۔ یعنی مخصوص تیری خدمت و عبادت کے لئے۔

مُحَرَّرًا۔ ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت اور مجاوری کے لئے اولادِ ذکور کو نذر کر دینے کا دستور یہود کے ہاں جاری تھا۔

سننے والا میری دعاؤں کا جاننے والا میرے اخلاص کا اللہ اللہ! اللہ والوں کی طرح اللہ والیاں بھی اپنی دعاؤں میں بھی کس درجہ باادب ہوتی ہیں!

اور لڑکی کس طرح تیرے معبد میں مجاور بن سکے گی؟

حضرت مریم کی والدہ ماجدہ بہ صد حسرت و یاس بارگاہ الٰہی میں مناجات کر رہی تھیں کہ تمنا تو لڑکے کی اس لئے تھی کہ اسے ہیکل کی نذر کر دیا جاتا اور وہ اس کی جاروب کشی اور مجاوری میں عمر بسر کر دیتا۔ اولاد تو ہوئی مگر لڑکی نکلی۔ لڑکی سے کیسے نذر پوری ہو سکتی ہے؟ اسرائیلی قانون و معاشرہ میں لڑکی کے لئے اس خدمت کی کوئی صورت نہ تھی۔

والدۂ حضرت مریمؑ کا یہ قول بطور اخبار نہ تھا بطور انشاء تھا۔ اس میں کسی واقعہ کی خبر دہی نہ تھی۔ اظہار رنج و ملال نہ تھا۔

یہ پورا فقرہ والدۂ مریم کی تقریر کا حصہ نہیں۔ بطور ایک مستقل جملۂ معترضہ کے براہ راست ارشاد باری تعالیٰ ہے مفہوم یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت و منزلت سے تو خدائے تعالیٰ ہی خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔

اَلذَّکَرُ۔ یعنی جو لڑکا حضرت مریمؑ کی والدہ کے حسب خواہش ہوتا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ۔ یعنی اس وجود سے جو عظمتیں وابستہ تھیں اس کی خبر ماں غریب کو کیا ہو سکتی تھی ان سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا۔

کہ خدمت دین سے کسی منزل میں بھی منحرف نہ ہونے پائیں۔

والدۂ مریم کی توحید پرستی مناجات کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ اللہ والوں اور والیوں کو اپنی اولاد کے لئے نگران کے دینی تحفظ کی ہوتی ہے۔

وَذُرِّیَّتَهَا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدۂ مریمؑ اللہ سے امید لگائے ہوئے تھیں کہ لڑکی کا سلسلۂ نسل چلے گا۔

مریم سُریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی بلند کے ہیں۔

اسرائیلیوں میں عورتوں کا ایک چلا ہوا نام تھا۔

یعنی والدۂ مریمؑ کی نذر کو اس لڑکی کی شکل میں بھی اللہ نے قبول کر لیا۔ اور یہ خدمت ہیکل کی ساری تاریخ میں ایک نئی بات تھی۔ مسیحی نوشتوں کے بموجب حضرت مریمؑ تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے قبول کر لی گئیں تھیں۔ اور معبد کے چھوٹے بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ کر خوب خوش ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو ہیسٹنگز (HASTINGS) کی ڈکشنری آف دی بائیبل جلد ۳ صفحہ ۲۸۸ نیز بج (BUDGE) کی کتاب

"Legends of Lady mary" "خاتون مریم"

یہ اچھا نشوونما ممکن ہے کہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں حیثیت سے ہو۔

عجیب لطیفہ ہے کہ حضرت مریمؑ کے شرف و عظمت کی یہ ساری تفصیلات انجیل میں نہیں، قرآن مجید ہی میں مل رہی ہیں۔ انجیل اس قسم کے جزئیات سے خاموش ہے۔

زَکَرِیَّا۔ اللہ کے پیغمبر تھے۔ مسیحی صحیفے ان کے تذکرے سے گویا بیگانہ ہیں۔ چار مقدس و مستند انجیلوں میں لے دے کر صرف ایک ہی جگہ ان کا ذکر انجیل لوقا میں آتا ہے۔ وہ بھی پیغمبر کی حیثیت سے نہیں صرف ایک بزرگ و راست باز کاہن کی حیثیت سے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام ایک کاہن کا تھا۔ (لوقا ۵)

یہ حضرت زکریا رشتہ میں حضرت مریمؑ کے بہنوئی تھے۔ یعنی آپ کی بہن کے شوہر۔ حضرت مریم کے والد ماجد جناب عمران کی وفات آپ کے بچپن ہی میں ہو گئی تھی اور ان کی وفات کے بعد ہیکل کے خادموں (یا یہود کی اصطلاح میں کاہنوں) کی سرداری حضرت زکریا کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ ایک تو مریمؑ کے عزیز قریب اور پھر خدام ہیکل کے سردار۔ حضرت مریم کی تربیت کا واسطہ و ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو بنایا۔ آپ حضرت یحییٰ کے والد ماجد تھے۔ جو حضرت عیسیٰ کے ہم سن تھے۔ اسی سے آپ کے زمانہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کَفَّلَهَا۔ کے لفظ میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ یہ سب خدائی انتظامات تھے۔ زکریاؑ کی حیثیت محض واسطہ یا ذریعہ کی تھی۔

کلام خیر الانام

از مولانا لطف الرحمن صاحب

ماہ شعبان کے فضائل

سال اور ان سے متعلق جو فیصلے ہیں وہ لوح محفوظ سے نقل کر کے ان فرشتوں اور روح کے حوالے کئے جاتے ہیں جو شعبہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔ ان میں ایک اہتمام بالشان کام نزول قرآن بھی تھا۔ محققین علماء کی رائے میں اس کی ابتداء شب برات یعنی پندرہویں شعبان کی رات ہوتی ہے اور اس کا اختتام (شب قدر میں جو رمضان شریف میں واقع ہے) ہوتا ہے۔ مناسب تھا کہ مسلمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے طریقہ پر اس مبارک رات کی برکت سمجھتے اور وہ کام انجام دیتے جو حضور نے بتلایا ہے! مگر افسوس ہے کہ مسلمان دیگر اقوام کے دیکھا دیکھی بہت سی بدعتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، جسے فوری ترک کرنا ضرور ہے؟

ہم نے ماہ معظم شعبان کا کچھ حصہ غفلت اور نسیان میں کھو دیا ہے اب شب براءت قریب ہے اس کی برکتوں کو سمجھنے کے لئے آپ سورۂ دخان اور سورۂ قدر کی ان آیتوں پر غور کیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ایک برکت والی رات میں اتارا ہے اور ہم کو اندار قوم کے لئے یہ کام کرنا ہی تھا، اس مبارک رات میں ہمارا ہر فیصلہ جو سراسر حکمت ہے ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے ہم آپ کو رسول بنانے والے تھے جو دنیا کے لئے سراسر رحمت ہی رحمت ہے بے شک اللہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ہر چیز کو قدر (یعنی اندازے) سے پیدا کیا اور ہمارا ہر حکم امر سے خلق کی صورت بجبارگی اس طرح جلد اختیار کر لیتا ہے جیسے نگاہ کی لپک، اور اسی نے حکمت ہی سے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا کہ ہر ایک کے آثار و خواص جدا جدا ہیں۔ اب آپ اس مبارک دن رات کے متعلق چند حدیثیں سنئے :۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرہویں رات آ جائے تو اس میں قیام لیل اختیار کرو، اور پندرہ شعبان دن کو روزہ رکھو، قیام لیل سے مراد ہے نفلیں پڑھنا، قرآن مجید پڑھنا ذکر اللہ کرنا، خدا سے دعائیں مانگنا۔ قیام لیل کی وجہ حضورؐ نے یہ ارشاد فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں سماء دنیا کی طرف نزول اجلال فرما کر فرماتا ہے۔ کہ کوئی گناہوں سے مغفرت چاہنے والا ہے؟ تو میں اسے بخش دوں۔ کوئی رزق کا طالب ہے تو میں اسے روزی عنایت کر دوں۔ کوئی بیماری سے شفا چاہتا ہے؟ تو میں اسے صحت و عافیت عنایت کروں اس طرح تمام حاجتوں کے متعلق خدا کی جناب سے پکار ہوتی ہے اور یہ رحمت و برکت طلوع فجر تک جاری رہتی ہے

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں شب باش تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ رات پندرہ شعبان کی رات ہے اور اس شب میں بنی کلب (جن کے پاس بے شمار بھیڑ بکریاں تھیں) بھیڑ بکریوں کے بالوں کی تعداد میں اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں کو جہنم کی آگ سے نجات دے گا۔ لیکن چند ایسے گنہگار ہیں جنکی طرف اللہ اپنی رحمت کی نظر اس رات میں نہ فرمائے گا، ان میں ایک مشرک ہے دوسرے کینہ کش ہے، تیسرے قاطع رحم ہے صلہ رحمی فرض ہے ذی رحم وہ لوگ ہیں جن سے تعلق ماں باپ کی طرف سے ہے۔ جیسے بھائی، بہن، بھتیجہ بھتیجی، بھانجہ بھانجی یا ان سے تعلق دادا دادی، نانا نانی کی جانب سے ہے جیسے چچا پھوپھی خالہ ماموں۔ چوتھے متکبر ہے۔ پانچویں ماں باپ کے نافرمان ہیں۔ چھٹے ہمہ دم شراب میں مست رہنے والے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ اس رات میں قیام کی اجازت دیتی ہیں؟ اللہ اللہ! نبی! اور پھر فرشتہ کا اشارہ، اس کے باوجود حقوق عباد کی یہ رعایت ذرا آجکل کے شب بیداری کے دعویدار غور کریں! اب حضرت صدیقہؓ کا جواب سنئے :۔ حضرت صدیقہ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان! آج کی رات بادل ناخواستہ گذاریئے! پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے سجدے میں اتنا وقت گذارا کہ مجھے خطرہ ہو گیا کہ مبادا آپ کی روح مبارک تو پرواز نہ کر گئی پس میں کھڑی ہو کر آپ کو ٹٹولنے لگی (کیونکہ حجرۂ مبارک میں چراغ روشن نہ تھا) اور میں نے اپنا ہاتھ آپ کے تلوے مبارک پر رکھ دیا آپ نے اپنے قدم مبارک میں حرکت دی تو میں آپ کو زندہ پا کر بہت خوش ہو گئی۔ جب میں نے کان لگایا تو آپ سجدہ میں یہ دعا بار بار پڑھ رہے تھے۔ اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْهُکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ، اس دعا کا ترجمہ یہ ہے :۔ اے خدا میں آپ کے عفو کے ذریعہ آپ کے عقاب سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کے سخط سے پناہ چاہتا ہوں، اور آپ ہی کی ذات کے واسطے سے آپ کے نازل کردہ ہر قسم کے مصائب سے پناہ ڈھونڈتا ہوں، آپ کی ذات مقدس عالی شان ہے میں آپ کی ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا، آپ کی ذات مقدس اسی طرح ہے جس طرح آپ نے خود اس کی توصیف کی ہے۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوئی تو اس تسبیح کا ذکر میں نے حضور اقدسؐ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ تم خود بھی اس تسبیح کو یاد کر لو! اور دوسروں کو بھی سکھا دو، مجھے اس دعا کی تعلیم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے یہ حکم بھی دیا ہے کہ میں اسے سجدے میں بار بار دہراؤں۔

بقول چوک کا نعرہ کہ ہمیں اسی طرح کرنا چاہیئے کہ شب براءت میں سنت کے طریقہ پر قیام لیل کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ ۱۵ شعبان دن کو روزہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ان تمام ممنوع بدعتوں کو چھوڑ دینا چاہیئے جو لوگوں میں رائج ہیں خلاً چراغوں کا جلانا لہو و لعب میں مشغول رہنا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت سے تلافی مافات کی ہمیں توفیق عنایت فرمائے اور جب موت دے تو ایمان کے ساتھ اور ہمارے گناہ کو بخش دے بے شک وہ ارحم الراحمین ہے۔

الحمد للہ رب العلمین، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ جو کوئی کوئی نیک کام کرتا ہے اور وہ ایمان رکھتا ہے تو اس کی سعی کو قبول کیا جائے گا اور ہم اس کی نیکیوں کو لکھ لیتے ہیں۔

بقیہ شیخ معین الدین سجزی علیہ الرحمۃ

برکات سے لوگ جوق در جوق دین الٰہی میں داخل ہوئے اور اسلام جیسی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ ہندوستان اور یہاں کے مسلم باشندوں میں کوئی بھی شخص شیخ کے فضل و عظمت اور ان کے احسانات سے انکار نہیں کر سکتا ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن اور زندگی کے جتنے بھی جیتے جاگتے نمونے اور آثار پائے جاتے ہیں یہ سب ان ہی کی بدولت ہیں۔ رات و دن کی یہ گردش شمس و قمر کا یہ چکر عرصہ دراز سیکڑوں برس گذر جانے کے باوجود تاریخ شیخ معین الدینؒ کے فضل و احسانات کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکی اور نہ آئندہ کر سکے گی۔ کیونکہ شیخ کا شمار ان محسنوں میں ہے جن کو زمانے ان کے عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

غرض یہ کہ سیکڑوں تجدیدی کارنامے انجام دینے کے بعد یہ آفتاب رشد و ہدایت ماہتاب علوم نبوت اجمیر میں اپنی پچاس بہاریں دکھانے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا انا للہ و انا الیہ راجعون شیخ معین الدینؒ اپنی حیات ہی میں اپنے ہی جیسے چابک دست و کامل شخص شیخ قطب الدینؒ کو اپنا خلیفہ مقرر کر چکے تھے شیخ نے دہلی میں قیام فرمایا اور اپنے علوم و معارف کے دریا بہا دیئے جس سے بے شمار تشنگان علم سیراب ہوئے اور طریقہ چشتیہ برابر پھیلتا رہا اور شہرت و قبولیت کی آخری حدوں تک پہنچ گیا جس سے ساری دنیا نے فائدہ اٹھایا اور اب بھی برابر فائدہ اٹھا رہی ہے۔

مولانا حکیم سید عبد الحیٔؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء

آخری قسط

اسلام میں صلہ رحمی

غزوہ بنی المصطلق سے لوٹتے ہوئے بیوی عائشہؓ کا ہار کہیں گر گیا۔ ان کو خبر ہوئی تو کجاوہ سے نکل کر ادھر ادھر اس کو ڈھونڈھنے لگیں۔ یہ ڈھونڈھنے میں رہیں اور قافلہ چل پڑا، ان کے اونٹ والے نے یہ سمجھ کر کہ بیوی عائشہؓ اپنے کجاوہ میں ہوں گی اونٹ پر کجاوہ کس دیا یہ اتنی ہلکی پھلکی تھیں کہ ان کے نہ ہونے کا اس کو گمان بھی نہیں ہوا۔ حسب دستور قافلہ کے پیچھے گری پڑی چیزوں کی خبر گیری کو صفوان بن معطل چھوڑ دیئے گئے تھے انھوں نے بیوی عائشہؓ کو تنہا پایا تو ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا، اور خود اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے قافلہ میں لے آئے۔ منافق ایسی باتوں کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ انھوں نے سرگوشیاں شروع کر دیں اور بیوی عائشہؓ پر بری بات کی تہمت لگا دی۔ بعض سادہ لوح مسلمان بھی ان کے دھوکہ میں آ گئے۔ اور وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے، ان مسلمانوں میں ایک مسطح بن اثاثہ بھی تھے، جو حضرت ابو بکرؓ کے سگے خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت ابو بکرؓ ان کے ساتھ ہمیشہ سلوک کیا کرتے تھے، بیوی عائشہؓ کو کچھ دنوں اس کی خبر نہ ہوئی، مگر وہ دیکھتی تھیں کہ حضرتؐ جیسے لطف و محبت سے پیش آیا کرتے تھے ویسے اب نہیں ملتے اس سے ان کا جی کھٹکتا تھا اور وہ بےچین رہا کرتی تھیں ایک دن مسطح کی ماں ان کے پاس آئیں اور مسطح کو برا کہنے لگیں، بیوی عائشہؓ نے ان کو روکا تو انھوں نے یہ ماجرا بیان کیا۔ اس کو سنتے سے بیوی عائشہؓ پر گویا بجلی گر پڑی، کھانا پینا چھوٹ گیا اور نیند حرام ہو گئی ماں باپ ان کو حضرتؐ سے اجازت لیکر اپنے گھر اٹھا لے گئے اور ابو بکرؓ کا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ اور بیوی عائشہ اور ان کے ماں باپ غم کے پتلے بن گئے۔ ہمارے حضرتؐ کو بھی کچھ کم صدمہ نہیں تھا۔ آپ ایک ایک سے مشورہ لیتے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ آپ کے بدن پر مکھی اس وجہ سے نہیں بیٹھ سکتی تھی کہ وہ نجاست پر بیٹھا کرتی تھی۔ جب خدا نے آپ کو اس گندگی سے بچایا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کا ہم نشین ایسی بے حیائی میں مبتلا ہو۔ آپ غم نہ فرمائیں۔ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا یا رسول اللہؐ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ ہر کس و ناکس کا قدم اس پر نہ پڑے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپؐ کی آبرو پر کسی کا ہاتھ پڑ سکے۔ حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہؐ ایک بار آپؐ کے جوتے میں نجاست بھر گئی تھی۔ اور آپ کو خبر نہیں تھی جبریلؑ امین نے آکر آپ کو اطلاع دی اور کہا کہ جوتا قدم مبارک سے نکال دیجئے۔ اگر اتنے بڑے واقعہ کی کچھ اصلیت ہوتی تو خدا اس بات کو پسند نہ کرتا کہ وہ آپ کے ساتھ رہیں۔ مختصر یہ کہ کچھ دنوں تک نہایت بے لطفی رہی۔ اس کے بعد خدا نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ ان لوگوں کو سزائیں دی گئیں جو اس تہمت میں شریک تھے۔ اسی رنج و غم کے زمانہ میں حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھالی تھی کہ اب مسطح کے ساتھ سلوک نہ کریں گے، تم سمجھ سکتے ہو کہ اس زمانہ میں حضرت ابو بکرؓ کے دل پر کیا گذرتی ہوگی، بیٹی پر داغ لگنے کا صدمہ ایک اکیلا ایسا صدمہ ہے، کہ غیرت مند آدمی کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رکھتا جن کو انجام کے اچھے برے ہونے کی پروا نہیں ہوتی، وہ ساری زندگی پردیس میں ختم کر دیتے ہیں۔ گھر کا آنا گوارا نہیں کرتے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زہر کھا کر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اس صدمہ سے بالاتر ایک صدمہ اور بھی تھا، جس کا صحیح اندازہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔

بے درد کو حال دل عاشق کی خبر کیا
جانے وہی جس دل میں محبت ہو کسی کی

ابو بکر صدیقؓ کو ہمارے حضرتؐ کے ساتھ معمولی قسم کی ارادت نہیں تھی، عشق تھا، وہ نسبت تھی، جو پروانہ کو شمع کے ساتھ، بلبل کو گل کے ساتھ، قمری کو سرو کے ساتھ، چکور کو چاند کے ساتھ ہوتی ہے، حضرتؐ کے لئے ان کو اپنی جان، اپنی اولاد اور مال و دولت، کوئی چیز بھی عزیز نہیں تھی۔ اس واقعہ سے زیادہ صدمہ ان کو اس بات کا تھا کہ مبادا حضرتؐ کے لطف و کرم میں فرق آ جائے۔ ان کو اپنی عمر میں اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت پیش نہ آئی ہوگی، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا، ان سے زیادہ کوئی ان کو اپنا بدخواہ اور دشمن نہ معلوم ہوتا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ وہ اس بات پر قسم کھا بیٹھے کہ مسطح کے ساتھ اب کبھی سلوک نہ کریں گے۔ اگرچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیوی عائشہؓ کی برأت جہاں فرمائی اور تہمت لگانے والوں کو سرزنش کی اور حکم دیا ہے کہ ان کو سزا دی جائے، وہاں یہ آیت بھی ارشاد فرمائی ہے۔

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین والمہاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم ۔ تم میں جو مقدور اور فراخ حوصلے والے ہیں ان کو اس بات کی قسم نہ کھانی چاہیئے، کہ اپنے قرابت داروں سے۔ محتاجوں سے اور ان لوگوں سے جنھوں نے خدا کی راہ میں اپنا دیس چھوڑا، اب سے وہ سلوک نہ کریں گے کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے گناہوں کو بخشدے ہمارے حضرتؐ نے ابو بکرؓ کو بلا کر جب یہ آیت سنائی تو انھوں نے کہا

بلیٰ احب ان یغفر اللہ لی۔ ضرور! میں اس بات کو دل سے چاہتا ہوں کہ اللہ میرے گناہوں کو بخشدے اس دن سے پھر حضرت ابو بکرؓ مسطح کے ساتھ سلوک کرنے لگے۔ (تفسیر مدارک)

کیا اب کسی کو اس بات کی حاجت نہیں؟

کیا اب کسی کو اس بات کی حاجت نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگذر فرمائے۔ یا ہمارا مرتبہ ابو بکر صدیقؓ کے مرتبہ سے بڑھ کر ہے۔ وہ معصوم نہیں تھے مگر ہم معصوم ہیں۔ وہ مغفرت کے حاجت مند تھے، ہم کو اس کی ضرورت نہیں، مسلمانو! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت ایمانی کا نتیجہ تھا کہ وہ مغفرت کی خوشخبری کو سنتے ہی اپنے دکھ درد کو بھول گئے اور جس کو وہ ساری دنیا سے زیادہ، اپنا بدخواہ اور دشمن سمجھتے ہوں گے اس کے ساتھ پھر حسن سلوک کرنے لگے ایک ہم ہیں جو ذرا ذرا سی باتوں پر اپنے عزیزوں سے روٹھتے ہیں اور بولنا چالنا بند کر دیتے ہیں۔ ان کی جان و مال عزت و آبرو کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ان پر مقدمے چلاتے ہیں مقدموں میں کامیاب ہونے کے لئے جھوٹے گواہ بناتے ہیں۔ جعلی دستاویزیں تیار کرتے ہیں۔ عمال کو رشوتیں دیتے ہیں۔ اور جو ہم میں زیادہ منچلے ہیں وہ حریفوں کو زیر کرنے کے لئے ان کے گھر میں چوریاں کرا دیتے ہیں، ان کے کھلیانوں میں آگ لگا دیتے ہیں۔ ان کے گھر میں افیون رکھوا کر پولیس کے ذریعہ ان پر فوجداری کے مقدمے قائم کرا دیتے ہیں۔ جو ان سے بھی زیادہ منچلے ہیں، وہ بدمعاشوں کو ہموار کر کے ان کو مروا ڈالتے ہیں۔ اور پھر یہ خوش فہم اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ حافظ

گر مسلمانی ہمیں ست کہ حافظ دارد
وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

سیرت
مولانا سید محمد علی مونگیریؒ
بانیٔ ندوۃ العلماء
از:۔ سید محمد الحسنی
مدیر:۔ "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"
ندوۃ العلماء کے تخیل اور نصب العین، اسکے کردار اور تاریخ اسکی خدمات اور خصوصیات اور اس کے بانی و اولین رہنما کے سوانح حیات اور حالات دیکھنے واقفیت کیلئے اس کتاب کو مطالعہ میں ضرور رکھئے
مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

روشنی کے مینار

شیخ معین الدین سجزی علیہ الرحمۃ

تحریر: سعید الاعظمی ندوی
عربی سے ترجمہ: سید عبد الرشید

چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان نہایت نازک اور پر آشوب دور سے گذر رہا تھا لوگ ضلالت و سفاہت اور گمراہی کی تاریک راہوں میں بھٹک رہے تھے اور خیر و شر کے درمیان فرق بالکل اٹھ چکا تھا۔ بندوں کا رشتہ ان کے خدا سے ٹوٹ چکا تھا اور زندگی فرسودہ رسم و رواج اور مختلف قسم کے اوہام و خرافات کا ایک مجموعہ بن کر رہ گئی تھی کہ یکایک رحمت الٰہی کو جوش آیا اور اس نے اہل ہند کو کفر و شرک اور بدعت و بت پرستی سے آزاد کرنے کے لئے اور اپنے دین حق کو نئی زندگی، اور نئی روح عطا کرنے کے لئے شیخ معین الدین سجزی علیہ الرحمۃ چشتی جیسی اولو العزم و عظیم الشان ہستی کو ظاہر فرمایا جنھوں نے اسلام کو ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ تک پھیلا دیا اور ہزارہا افراد کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ اس وقت سلطان محمود غزنوی مشیت ایزدی سے ہندوستان میں فاتح بن کر داخل ہوا اور اسلامی تعلیمات و احکام کا نفاذ کر کے ایک ایسی حکومت عالم وجود میں لایا جس کی بنیاد درست عقائد اور بہترین تعلیمات پر قائم تھی لیکن ان فتوحات کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کا قیام آگے چل کر سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھوں انجام پایا۔

ان ہی ایام میں شاہ معین الدینؒ سجزی ہندوستان تشریف لائے اور ایمان و یقین، علوم و معارف کی قندیلیں روشن کر کے ایک روحانی حکومت قائم کی جو سلطان محمود غزنوی کی مادی طاقتوں اور قوتوں سے کہیں زیادہ طاقتور دیرپا اور موثر کارگر تھی۔ ہندوستان میں بہترین اسلامی معاشرہ اور سوسائٹی پیدا کرنے اور اس ملک کے اجڑنے کے بعد دوبارہ تعمیر و ترقی حاصل کرنے میں شیخ معین الدینؒ کا بڑا ہاتھ ہے جس سے کوئی بھی واقف کار انکار نہیں کر سکتا

شیخ معین الدینؒ ۵۳۷ھ میں شہر سجستان میں پیدا ہوئے جب سن شعور کو پہونچے تو سمرقند کی طرف عازم سفر ہوئے جہاں انھوں نے قرآن شریف حفظ کیا اور جہاں تک ہو سکا علوم دینیہ سے بھی فیض یاب ہوئے پھر نیشاپور کا رخ کیا اور قصبہ "ہارون" میں داخل ہوئے وہاں شیخ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کی اور بیس سال تک ان ہی کی خدمت میں رہے اور ان ہی سے خلافت و نیابت حاصل ہوئی پھر ہندوستان تشریف لائے اور شہر لاہور میں اقامت پذیر ہوئے اس کے بعد دہلی تشریف لائے اور وہاں سے اجمیر کا رخ کیا جہاں لوگوں کی ایک کثیر تعداد آپ کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

شیخ معین الدین سجزیؒ ایسے وقت میں ہندوستان تشریف لائے جب کہ اہل ہند غلط عقائد اور فرسودہ رسم و رواج میں مبتلا تھے اور اندھی تقلید ان کا شیوہ تھا۔ ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے زور آزمائی کر رہا تھا فرد فرد سے برسر پیکار تھا انسان انسانیت کا دشمن تھا اور نسلی تعصب نے ساری فضا مسموم کر رکھی تھی۔ اونچی ذات نیچی ذات کے لئے زندگی کی آرام و آسائش میں کوئی حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اور اچھوتوں کو معاشرے میں انسان کی طرح زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ حکام اور برسر اقتدار لوگ رعایا پر ظلم و ستم آلام و مصائب کے وہ پہاڑ ڈھاتے تھے کہ جنھیں سن کر بدن کا رواں رواں کانپ جاتا ہے —

لیکن شیخ معین الدینؒ کے آنے سے یکایک حالات نے پلٹا کھایا اور سرزمین ہند پر ایک عظیم انقلاب رونما ہوا — انسانی معاشرہ و سوسائٹی پر ظلم و ستم کا خاتمہ ہو گیا۔ برائیاں اور اندھی تقلید ختم ہو گئی۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت ہندوستان پرتھوی راج کے زیر اثر تھا جو دہلی و اجمیر کا حکمراں تھا۔ یہ حاکم بڑے رعب و دبدبہ والا اور بڑی بڑی قوتوں کا مالک تھا موجودہ حکمرانوں میں سے کوئی بھی اس کے سامنے آنے کی ہمت و جرأت نہ کرتا تھا کہ میدان میں آ کر اس سے برسر پیکار ہو یہاں تک کہ سلطان شہاب الدین غوری نے اس پر ایک بھرپور اور زوردار حملہ کیا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور شکست کھا گیا جس میں اس کے بہت سے فوجی کام آئے لیکن ناکامی کے باوجود نہ تو وہ پیچھے ہٹا اور نہ اس کے عزائم میں کوئی فرق آیا بلکہ اس نے شاہ معین الدین سجزیؒ سے استدعا کی کہ وہ اس کی کامیابی و کامرانی اور دشمن کی شکست و ہزیمت کے لئے دعا فرمائیں کہ شیخ نے اس کی ظفر یابی کے لئے صرف دعا ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ خود بہ نفس نفیس سلطان کے لشکر کا ساتھ دیا اور شہاب الدین غوری نے ایک لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ پرتھوی راج پر دوسرا حملہ کیا جو نہایت سخت تھا بالآخر پرتھوی راج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور سلطان شہاب الدین غوری کامیاب و کامران واپس ہوا۔ یہ فتح نہ صرف سلطان شہاب الدین غوری کی کامیابی تھی اور نہ ہندوستان کی فتح تھی یہ فتح درحقیقت قلوب کو مسخر کرنے کی تھی اور اس بات کا اعلان تھی کہ عنقریب میں اسی سرزمین ہند سے توحید کے نغمے گونجیں گے علم و فضل کے چشمے پھوٹیں گے اور رشد و ہدایت کی روشنی ہر چہار جانب پھیل جائے گی۔ یہ فتح عمدہ سوسائٹی اور بہترین معاشرہ کی تعمیر میں خشت اول کی حیثیت رکھتی تھی چنانچہ آگے چل کر یہی ہوا اور کفر و شرک کے اس مرکز میں ہر طرف اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ مخالفین اسلام اور رجعت پسند لوگوں کی شدید مخالفت اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے کے باوجود اسلام برابر بڑھتا رہا پھیلتا اور ترقی کرتا رہا۔

جب شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی مقاصد میں کامیاب ہو گئے یعنی جب ان تمام فتنوں کے ذرائع و اسباب کی بیخ کنی ہو گئی (جو ایک طویل عرصہ سے اہل ہند پر مسلط تھے جس کی تاریخ ہمت و جوانمردی، شجاعت و مردانگی شرافت و کرامت سے بھری پڑی ہے) تو پھر آپ حالات و ماحول کی اصلاح فرسودہ رسم و رواج کی بیخ کنی اخلاق و عادات و اطوار کی بہتری اور غلط عقائد کی درستگی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کوشش کے نتیجہ میں بے شمار لوگ آپ کے ہاتھوں نعمت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ ہندوستان کے قرب و جوار کے ہزاروں لوگ غلط راستوں کو چھوڑ سیدھی راہ پر چلنے لگے۔ اور ہندوستان کے اسلامی معاشرہ میں سکون و اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ برسوں کی گمراہی ختم ہو گئی عقائد درست ہو گئے اور اسلامی تعلیمات دلوں میں راسخ ہو گئیں اور پھر زندگی کو ایک نہج سے دوسرے نہج پر ڈالنے میں شیخ صاحب کو نہ تو کوئی دشواری پیش آئی اور نہ باطل رجحانات کی جگہ صالح رجحانات پیدا کرنے میں کوئی دقت ہوئی۔

شیخ محمد مبارک کرمانی علوی اپنی تالیف کردہ کتاب "سیر الاولیاء" میں شیخ معین الدینؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں "ہندوستان کے تمام مشرقی علاقے کفر و شرک اور بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے ہر طرف کفر کی ظلمت و تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تمرد و سرکش لوگ "انا ربکم الاعلیٰ" کے دعویدار تھے۔ خدائے واحد کے ساتھ شرک کرنا عام تھا بے جان چیزوں پتھر، مٹی اور درخت کو سجدہ کیا جاتا تھا چوپایوں کی پوجا ہوتی تھی لوگوں کے دلوں پر کفر و شرک کی حکمرانی تھی لوگ دین حنیفی اور شریعت اسلامی سے بالکل غافل تھے خدا اور رسول کے بارے میں بالکل ناواقف تھے۔ سمت قبلہ سے بالکل ناآشنا تھے اللہ اکبر کی لطیف و شیریں آواز سے محروم تھے اور ضلالت و گمراہی کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے کہ اسی اثناء میں شیخ معین الدینؒ وارد ہندوستان ہوئے۔ آپ کے آتے ہی کفر کے بادل چھٹ گئے تاریکیاں مٹ گئیں۔ شرک و بدعت کی ظلمتیں غائب ہو گئیں مسجد و منبر تعمیر ہوئے جہاں سے اللہ اکبر کی پرکیف اور مسحور کن آواز بلند ہوئی۔ اس ملک میں جو بھی شخص دولت اسلام سے سرفراز ہوا اور آئندہ بھی جو لوگ قیامت تک اس نعمت ایزدی سے متمتع ہوتے رہیں گے ان سب کا ثواب شیخ معین الدینؒ کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا اور ان کے حسنات میں قیامت تک برابر اضافہ ہوتا رہے گا" مولف "سیر الاقطاب" شیخ کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں "ان ہی کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام پھیلا اور ظلم و کفر کی تاریکیاں دور ہوئیں"۔ تقریباً یہی بات ابو الفضل نے "آئین اکبری" میں یوں بیان کی ہے "شیخ معین الدینؒ نے اجمیر میں اقامت اختیار فرمائی جہاں انھوں نے اسلام کی شمع روشن کی اور لوگوں کے دلوں کو نور ایمان سے منور کر دیا اور یہ ان ہی کا کارنامہ تھا کہ ان کے [illegible]

(باقی صفحہ ۹ پر دیکھئے)

شمعِ شبستانِ عمل

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں
(سید محمد ثانی حسنی۔ مدیر ماہنامہ رضوان لکھنؤ)

اے کہ تو شیخ الحدیث آقائے من عالی مقام
در نگاہم تو امام ملت خیر الانام

اے کہ تو شیخ الحدیث و صاحبِ مہر و وفا
تو مرا آقا و مرشد، من ترا ادنیٰ غلام

سرگروہِ اولیا، سرخیلِ مردانِ خدا
سربراہِ اہلِ دیں، منجملہ خاصانِ کرام

من حقیرے، بے نوائے خاکِ پائے آنجناب
غرقِ ایں دم من شوم در بادۂ عشقت تمام

نازِ اصحابِ حدیث و فقہ و تفسیر و ادب
قدوۂ اہلِ نظر آبار و اسلافِ عظام

حالِ من ابتر شدہ آقائے من تدبیر کن
آہ من ہستم اسیرِ دامِ نفسِ بے لگام

اے کہ تو شمعِ شبستانِ عمل در راہِ حق
خندہ رو، روشن جبیں، پاکیزہ دل شیریں کلام

تا دمِ آخر ترا منت شناسم ہر نفس
گر توجہ می کنی بر حالِ من از لطفِ عام

اے کہ تو در دورِ حاضر نقطۂ انوارِ حق
اے کہ تو مردِ بزرگ و بندۂ ربِ الانام

در جنابِ حق تعالیٰ من دعائے می کنم
رحمتِ او سایہ گستر بر سرِ والا مدام

———ـــ ○○○ ـــ———

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

آخری قسط

عہدِ عباسی کے نظامِ حکومت پر ایک نظر

دیوان الشرطہ اندرونی جرائم، حکومت کے انتظامی اور ملکی قوانین پر صحیح طور سے عمل کرانے، ملک میں امن و امان کی حفاظت کرنے، مجرموں اور مفسدہ پردازوں کو قابو رکھنے نیز قاضیوں کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے یہ محکمہ پولیس تھا۔ اس کا افسر عموماً اشراف میں سے کوئی طاقت ور اور صاحب اثر آدمی ہوتا تھا۔ شہر کی پولیس کا افسر محتسب کہلاتا تھا کیونکہ وہ بازاروں کے بھاؤ، ناپ تول، نیز عوام کے اخلاق کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

دیوان البرید خلافت عباسیہ کے دور ثانی میں محکمہ برید حکومت کے خاص مصالح میں سے تھا۔ اس محکمہ کا افسر صاحب البرید وہ تمام کام انجام دیتا تھا جو آجکل وزارت دفاع میں انٹیلیجنس بیورو کا افسر انجام دیتا ہے۔

تمام سلطنت میں ڈاک کے بڑے (POST R[illegible]) راستے تھے جو تمام صوبوں کو مرکز سے ملاتے تھے، ان اسٹیشنوں پر جو کہ عموماً تین تین میل اور چھ چھ میل کے فاصلے پر ہوتے تھے گھوڑے اور سوار تیار رہتے تھے، ڈاک کے تھیلے گھوڑوں اور اونٹوں پر لے جائے جاتے تھے یا گاڑیاں چلتی تھیں، والیان صوبہ جب کسی اہم ضرورت سے تبدیل کئے جاتے تھے تو وہ اپنے متعلقین سمیت ان ہی ڈاک گاڑیوں پر سفر کرتے تھے۔

ان مقامات پر خصوصاً ایران میں جہاں ڈاک کی چوکیاں قریب قریب تھیں ہرکارے ڈاک لے جاتے تھے جن کو ساعی کہتے تھے۔ شام و عرب میں اونٹوں، دجلہ کے اطراف میں خچروں سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ بعض اوقات کبوتر بھی خبر رسانی کے کام میں استعمال ہوتے تھے۔ ڈاک کے راستوں اور سڑکوں کا ایک جال ملک کے مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ ان راستوں کا نظام بہت اچھا تھا، اور یہ دار الحکومت سے سلطنت کے ہر حصہ کو جاتے تھے۔ ممکن ہے یہ محکمہ خاص خاص ذاتی خطوط بھی پہونچاتا رہا ہو۔ یہ صرف حکومت کی خدمات کے لئے تھا، خلیفہ کے محل میں بھی ایک دیوان البرید تھا صوبوں سے آئی ہوئی اطلاعات اسی کے ذریعہ خلیفہ کو پہونچتی تھیں۔ اور وہ ان آئی ہوئی خبروں کے اقتباسات بھی محفوظ رکھتا تھا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ حکومت عام پولیس کے علاوہ خفیہ پولیس والے بھی بڑی تعداد میں ملازم رکھے جاتے تھے، جو سوسائٹی کے تمام حالات خلیفہ تک پہونچاتے تھے۔

الامارۃ علی البلدان امویوں نے اپنے عہد میں حکومت کے اداروں میں سہولت پیدا کرنے کے لئے اپنی وسیع سلطنت کو متعدد صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور یہی طریقہ عباسیوں کے زمانۂ حکومت میں بھی بغیر کسی خاص تبدیلی کے جاری و ساری رہا۔ ان صوبوں میں امن و امان قائم رکھنے اور انتظامی معاملات کو درست رکھنے کے لئے ان پر امیر یا والی (گورنر) مقرر کئے جاتے تھے۔ جو ان صوبوں پر خلیفہ کے نائب ہوا کرتے تھے۔

الوالی وزارت کی طرح گورنری کی بھی دو قسمیں ہوتی تھیں، اول امارت عامہ (G[illegible]) جس میں گورنر فوج کا پورا مالک و مختار ہوتا تھا، اسے قاضیوں کے انتخاب اور تقرر، محصول لگانے، امن عامہ کے قائم رکھنے، مذہب کو بدعات سے محفوظ رکھنے، پولیس کا انتظام کرنے نیز جمعہ کی نماز پڑھانے کے حقوق اور اختیارات ہوتے تھے۔

دوم امارت خاصہ (Special Amir[illegible]) جس میں گورنر کو محصول اور قاضیوں پر کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا لیکن یہ سب تقسیم زیادہ تر زبانی (THEORETICAL) ہوتی تھی کیونکہ صوبائی گورنروں کے حقوق اور اختیارات خود اپنی صلاحیت، قابلیت، خلیفہ کی کمزوری اور مرکز سے صوبہ کی دوری کے اعتبار سے گھٹتے بڑھتے رہتے تھے۔

خلافت عباسیہ میں حکومت کی تمام تر کوششوں کے باوجود اتنی عظیم اور وسیع سلطنت کو جہاں آمد و رفت کے ذرائع بھی دشوار ہوں، مرکز سے بالکل متحد نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ لہٰذا صوبہ کے تمام اختیارات میں گورنری کے اختیارات آخری اور انتہائی سمجھے جاتے تھے، دور کے صوبوں میں تو یہ عہدہ موروثی بن گیا تھا۔ خلافت عباسیہ کے دور ثانی میں والی اور امیر اپنے اپنے متعینہ صوبوں کے بجائے دار الخلافہ میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے، اور ان صوبوں میں اپنے اپنے نائب مقرر کر دیتے تھے، جو ان ہی کے نام سے وہاں متعلقہ کام انجام دیتے تھے، اس کے علاوہ یہ بھی ہوتا تھا کہ کئی کئی صوبوں کی امارت ایک ہی آدمی کو دیدی جاتی تھی اور وہ ان صوبوں میں اپنے مختلف نائبین بھیج کر انتظام کراتا تھا۔

صوبوں میں گورنروں کی امداد کے لئے ایک اور بڑا افسر ہوتا تھا جس کو عامل یا صاحب الخراج کہتے تھے۔ اس کا کام صوبہ کی آمدنی جمع کرکے اسی صوبہ کے اصلاح و نظم کے قائم کرنے میں جس قدر مال کی ضرورت پڑے اس کو خرچ کرنا، اور باقی بچی ہوئی رقم کو دار الخلافہ کے خزانہ میں بھیجنا ہوتا تھا۔ اس افسر کا درجہ امیر یا والی سے کسی طرح کم نہیں ہوتا تھا۔ صوبہ میں والی اور عامل کی مدد کے لئے کچھ اور افسران بھی ہوا کرتے تھے، جن میں سے خاص خاص یہ تھے، القاضی والبندار وعریف کاتب السلطنۃ، ومستخدم المطالبۃ بالخراج ووجوہ المال، وصاحب الجند وصاحب البرید، وعامل الصوافی وامین الضیاع السلطانیۃ وصاحب المعونۃ، وکان یصاحب صاحب [illegible]، وکان ہؤلاء المتصرفون یعینون من قبل الوزیر ویعزلون بعزلہ، ثم یعیدون الی الحکم بعودۃ الوزیر الی الخلافۃ الاضطراب وکثرۃ التعطل۔ انصاف کا نظام صوبہ کے قاضی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ جس کے بہت سے نائب ہوتے تھے، جو صوبوں کے مختلف حصوں میں رہتے تھے۔

خلافت عباسیہ کے دور ثانی میں حسب ذیل ۲۴ صوبوں میں سلطنت عباسیہ بٹی ہوئی تھی۔

۱۔ صحرائے لیبیا کے مغرب کا افریقہ اور سسلی۔ ۲۔ مصر ۳۔ شام و فلسطین ۴۔ الحجاز والیمامہ (۵) الیمن یا جنوبی عرب۔ (۶) بحرین و عمان مع البصرہ فی العراق عاصمہ (۷) السواد والعراق۔ (۸) الجزیرہ ۹۔ آذربیجان۔ ۱۰۔ الجبال۔ ۱۱۔ خوزستان۔ ۱۲۔ کرمان۔ ۱۳۔ مکران۔ ۱۴۔ فارس۔ ۱۵۔ سجستان یا سیستان۔ ۱۶۔ کوہستان۔ ۱۷۔ قومس۔ ۱۸۔ طبرستان۔ ۱۹۔ جرجان۔ ۲۰۔ آرمینیہ۔ ۲۱۔ خراسان۔ ۲۲۔ خوارزم۔ ۲۳۔ السند۔ ۲۴۔ فرغانہ الشاش۔

خلفائے عباسیہ کی پالیسی یہ تھی کہ وہ گورنروں اور افسران کو ان کے عہدوں پر ایک متعینہ مدت سے زیادہ نہیں رہنے دیتے تھے، تاکہ وہ اپنے صوبوں اور علاقوں میں اپنے ہم خیال اور ہمدرد پیدا کرکے اتنے طاقتور نہ ہو جائیں کہ کسی وقت خود حکومت کے لئے خطرہ بن جائیں۔

جواب کے وقت کوپن پر
پتہ صاف اور خوشخط
تحریر فرمایئے

مطالعۂ شخصیت

مورخ عظیم۔ ابن خلدون

تحریر: سید ابوبکر حسنی کچھوچھوی، اسکول آف فارن اسٹڈیز، نہرو یونیورسٹی دہلی
ترجمہ: احمد الرحمن بستوی، متعلم ہشتم عربی

جائے ولادت:- عبدالرحمن ابوزید ابن خلدون تونس میں ۱۳۳۲ء میں پیدا ہوئے ان کا نسب وائل پر ختم ہوتا ہے ان کے نویں دادا تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ہجرت کر گئے اور ان کا خاندان اشبیلیہ میں آباد ہوا۔ اندلس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کی سرزمین پر یہ عظیم مورخ پیدا ہوا۔ اگرچہ ان کے خاندان کے بعض افراد شاہی خاندان میں صدارت کے عہدے پر فائز ہو گئے تھے لیکن ابن خلدون کی ذکاوت اور عقلمندی تک کوئی نہ پہنچ سکا ان کی سرعت ذکاوت اور ذہانت کی علامتیں عہد طفلی ہی سے ظاہر ہونے لگیں تھیں۔

ان کی نشو و نما، پرورش اور تربیت ان کے والد کے ذریعہ ہوئی اور دوسروں کی نگرانی میں رہے۔ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی اور اس کو بہت اچھی طرح محفوظ رکھا اس کے علوم و فروع یعنی زبان و فقہ اور تاریخ میں مہارت حاصل کی خاص طور پر تاریخی مباحث میں باریک بینی سے کام لیا ابن خلدون نے صرف انہیں علوم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علوم ریاضیہ اور فلسفہ و منطق اسی طرح سے ۔۔۔ ہوتے۔

اس دور کی حالت:- وہ دور جس میں اس مورخ نے زندگی بسر کی ایک غیر یقینی صورت حال سے گذر رہا تھا اور حوادث و فتن اور سیاسی شورشوں و بغاوتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اگر ایک حکومت قائم ہوتی تو دوسری ختم ہوتی ایک فتنہ فرو ہوتا تو دوسرا اٹھتا تھا لیکن اس پر آشوب دور میں ان کے علم و ادب کا قافلہ ٹھہرا نہیں بلکہ برابر ترقی کی منزلوں کی طرف گامزن رہا ابن خلدون نے ان پریشان کن حالات سے بغیر متاثر ہوئے اپنا نصب العین علم کو ٹھہرایا۔

انھوں نے اندلس سے لے کر حجاز تک عالم اسلام کی سیاحت کی اور ان سفروں میں بذات خود ایسی چیزیں دیکھیں جنھوں نے ان کو ثقافتی و سیاسی سرمایہ کو جمع کرنے پر آمادہ کیا۔

اپنی عمر کے ابتدائی زمانہ میں اندلس و مغرب کے بہت سے بادشاہوں سے انھوں نے ملاقات کی اور عہدۂ قضاء و کتابت پر فائز ہوئے لیکن ان عہدوں پر بہت قلیل عرصہ تک قائم رہے انھوں نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ اپنے حاسدوں کے ساتھ جھگڑا مول لیں۔ چنانچہ اپنی عزت نفس کی خاطر وہ اس عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ والیٔ غرناطہ نے ان کی عزت افزائی کی لیکن اس کے وزیر نے حسد کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کیا تو ابن خلدون میزبان بادشاہ کو چھوڑ کر اپنے وطن لوٹ آئے انھوں نے مختلف شہروں اور ملکوں کی سیاحت کی ۷۸۴ھ میں مصر پہنچے اور جامعہ ازہر میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے لیکن اس عہدہ پر بھی زیادہ دنوں برقرار نہ رہے۔ پھر عہدۂ قضاء پر مامور ہوئے اور اپنی ذمہ داری بہت اچھی طرح سے ادا کی لیکن حاسدوں نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا اور دوسری بار گوشہ نشینی پر مجبور ہوئے اور اپنی ایک جائداد میں جو "فیوم" میں تھی اقامت پذیر ہو گئے اور فریضۂ حج سے فراغت کے بعد تدریس و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے اور رمضان ۸۰۸ھ مطابق مارچ ۱۴۰۶ء میں مصر ہی میں وفات پائی۔

اخلاق:- ابن خلدون بہت ہی متواضع، شریف، باوقار، قوی حافظہ والے اور علوم عقلیہ و نقلیہ نیز بہت سی علوم سے واقف تھے ان کے بارے میں لسان الدین بن خطیب رقمطراز ہیں۔

"یہ بڑے فاضل، بہترین اخلاق والے، کریم النفس، حیادار، مجلس میں باوقار، ظلم سے بیزار، پختہ کار، سالار علوم عقلیہ و نقلیہ میں بہت ممتاز، پختہ رائے اور بہترین حافظہ والے تھے، عمدہ خط والے، زینت و آرائش کا ذوق اور بہترین معاشرت رکھنے والے تھے اس کے علاوہ بہت سی دوسری صفات عالیہ سے متصف تھے جن کا اعتراف و اظہار تقدیر ہی کرتے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ عظیم مورخ اپنی خداداد صلاحیت کی بدولت عربی اسلامی زندگی اور ان ملکوں کے اسرار کو جاننے کا بہت شوق رکھتے تھے جو دائمی بحران میں مبتلا تھے اور واقعات و حوادث کی حقیقت معلوم کرنے کے بارے میں بہت زیادہ تلاش و جستجو کرتے تھے اور ان سے واضح نتائج حاصل کرتے تھے۔ عربی کے ان کے سفروں نے ان کے سامنے بہت سے نئے آفاق کھول دیئے اور ان کو اس کی وجہ سے عالم عربی کے حالات کو پرکھنے کے ۔۔۔ حالات سے عرب دنیا گذر رہی تھی یہاں تک کہ اپنی ان تحریروں کے ذریعہ وہ بہت سے اہم نتائج تک پہونچے جن کے ذریعہ انھوں نے مشہور و معروف مورخین کے درمیان قابل رشک جگہ حاصل کر لی ہے۔

سیاسی رجحان:- جب ہم اس فلسفی مورخ کو اس سیاست کی رو سے دیکھتے ہیں جس نے دنیا کو زیر و زبر کر دیا تھا تو ہم ان کو بعض وجوہات کی بنا پر ناکام پاتے ہیں بیشک انھوں نے اس زمانہ میں مختلف اوقات میں بذات خود اور بھی امراء سلاطین کی دعوت پر سلطنت کی ذمہ داری سنبھالی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور کسی ایک منصب پر بھی حاسدوں کی وجہ سے زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہے مگر ان کا درس و تدریس، تالیف و تدوین کا ذوق کبھی بھی مدھم نہ پڑا۔ باوجودیکہ ان کو اندنوں ظلم و قید و سازش، عداوت اور مکر و فریب سے دوچار ہونا پڑا لیکن ان کی عبقریت اور علمی بصیرت نے عالم اسلامی سے خراج تحسین حاصل کیا۔

بحیثیت ایک ممتاز مورخ:- ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے اندر زیرکی اور علم کی صفات ایک ہی آن میں جمع ہوں اس لئے اس وقت ملک کی خارجی و داخلی سیاست میں ان کی ناکامی باعث تعجب نہیں ان کے مقدر میں علمی شہرت لکھی جا چکی تھی چنانچہ ان کی شخصیت تاریخی میدان میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ کسی ناقد اور پڑھے لکھے شخص کے لئے ان کی شخصیت سے ناواقف ہونا ناممکن ہے ان کی جلالت شان ان کی اس کتاب میں زیادہ ظاہر ہوئی جس کا نام یہ ہے "کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر فی ایام العرب والبربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر"۔

یہی وہ کتاب ہے جس میں ابن خلدون نے دنیا کی اجتماعی اور تمدنی تاریخ بیان کی ہے اور اس سلسلہ میں ایک جدید علمی اسلوب اختیار کیا ہے انھوں نے صرف قصص، خرافات اور اوہام پر اعتماد نہیں کیا جیسا کہ عام مورخین کرتے ہیں بلکہ اس عظیم مورخ نے واقعات اور ثابت شدہ تاریخی حقائق پر اعتبار کیا اور غور و خوض کے بعد ان کو کتاب میں شامل کیا۔ ان کو یقین تھا کہ بغیر کسی شعور کے صرف واقعات کا سرسری طور پر بیان کر دینا آئندہ نسلوں کے لئے غیر مفید ہوگا اسی وجہ سے ابن خلدون نے سب سے پہلے اجتماعی و عمرانی فلسفہ کی بنیاد رکھی جب کوئی مقدمۂ ابن خلدون کو دیکھتا ہے تو اپنے سامنے علم اجتماع کا ایک نیا کھلا افق ابھرا ہوا پاتا ہے انھوں نے اپنی کتاب میں جغرافیائی و طبعی ماحول اور رنگ و جسم اور کردار و تربیت پر اس کے تاثرات کا ذکر کیا ہے انھوں نے تغیر پذیر اجتماعیت کے بارے میں بھی بحث کی ہے جیسے بدویت و حضریت، سیاسی و اقتصادی انتظامات، آداب و فنون، تربیت و تعلیم وغیرہ اس طرح انھوں نے اجتماعیت کے قانون کی بنیاد رکھی تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے تاریخی تصورات واضح ہو سکیں ان کی کتاب "التعریف بابن خلدون ورحلته غرباً و شرقاً" زندگی کی ایک نادر تصویر ہے جس میں انھوں نے اس زمانہ کی روح کھول کھول کر بیان کی ہے۔

"اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"

شمس الحق ندوی

جب ہارون رشید خلیفہ ہوا تو لوگ مبارکباد پیش کرنے کے لئے آئے علماء بھی اور ادباء اور شعراء بھی آئے اور اپنے اپنے علم و منصب کے اعتبار سے ہدایا اور تحائف سے لدے پھندے واپس ہوئے، مگر حضرت ابو سفیان ثوریؒ جو بچپن کے جگری دوست تھے جنھیں سب سے پہلے آنا چاہئے تھا وہ نہ آئے بلکہ انھوں نے قطع تعلق برتی جیسے اب بچپن کی حسین یادوں کا سارا دفتر محو ہو چکا ہے یہی نہیں بلکہ طبیعت میں اتنا ہی تکدر، غصہ اور نفرت پیدا ہو گئی جتنا پہلے تعلق اور لگاؤ تھا، ایسا کیوں ہوا؟ جب کہ ایک تخت سلطنت اور دوسرے کے بوریا تک پہونچنے سے قبل کوئی ناگوار بات نہ پیش آئی تھی باہم کسی قسم کا حسد و بغض تھا نہ کینہ کپٹ اور نہ ایک کو تخت شاہی ملنے کا دوسرے کو رنج و ملال یا حرص و طمع۔ یہ عجیب پہیلی ہے جس کو ہماری آج کی مادہ پرست دنیا اپنی ساری توانائیوں کے باوجود نہیں بوجھ سکتی اگر بوجھ سکے تو شاید اس کا بڑا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

اگر یہ نہ آنے والا آجاتا تو نہ جانے کیا کیا اعزاز اور آؤ بھگت ہوتی کیسے کیسے انعامات کئے جاتے۔ بچپن کی بے داغ و بے خلوص محبت کے حق کن کن صورتوں سے ادا کئے جاتے، مگر حضرت سفیان کو آنا تھا نہ آئے، ہارون کچھ دنوں تک تو اپنے زعم اقتدار میں ان کے آنے کا منتظر رہا جب مایوس ہو گیا تو حضرت سفیان کو خط لکھا اور آنے کی دعوت دی۔

خط میں لکھا - میرے بھائی تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو باہم بھائی چارگی کا حکم دیا ہے، تم سے میری محبت اللہ کے لئے ہے اسمیں اب بھی کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں تم سے از حد محبت ہے اور رہے گی، اگر خلافت کی ذمہ داریاں سفر سے مانع نہ ہوتیں تو میں ضرور تمہارے پاس آتا - خواہ ہزار دشواری تم تک رسائی ہوتی - ہمارے تمہارے احباب میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے آ کر مجھے خلافت کی مبارکباد نہ دی ہو، اور میں نے انکو بیت المال سے خوب خوب ہدایا و تحائف نہ دیئے ہوں۔ تمہیں مومنین سے ملنے جلنے اور اس سے تعلق قائم کرنے کی فضیلت معلوم ہے لہٰذا تم آنے میں جلدی کرو - خلیفہ نے خط لکھ کر عباد طالقانی کے حوالہ کیا اور وہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا جب اس مسجد میں پہونچا جہاں حضرت سفیان ثوری اپنے چند معتقدین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت سفیان کو کھٹک پیدا ہوئی، انھوں نے جیسے محسوس کر لیا ہو کہ عباد خلیفہ کا کوئی پیغام لا رہا ہے بے ساختہ زبان سے نکلا "شیطن مردود سے اس خدا کی پناہ جو خوب جاننے اور سننے والا ہے۔ ایسے آنے والے سے کہ جس کا انجام نیک ہے کہ بھلے مقصد سے آ رہا ہے یا کوئی پیغام آفت لا رہا ہے۔" یہ کہہ کر فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نیت باندھ لی، عباد مبہوت و حیرت زدہ کھڑے کا کھڑا ہی رہا، خدام میں سے کسی نے نہ کہا بیٹھ جاؤ جیسے ان حضرات کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ حالانکہ یہ حکومت وقت کا ایلچی تھا۔ جس کا ایک اشارہ سب کے لئے قابل گردن زدنی ہو سکتا تھا کیونکہ یہ اس کی نہیں بلکہ خلیفہ کی توہین تھی، اس منظر سے عباد پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بیٹھنا تو کجا پوچھنے اور کہنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ کھڑے ہی کھڑے اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے خلیفہ کا خط حضرت سفیان کی طرف پھینک دیا، وہ اس خط سے اس طرح چونکے اور اپنی جگہ سے ہٹے جیسے کوئی سانپ ان کے قدموں کے پاس آ گیا ہو۔ جب سلام پھیرا تو آستین سے اس احتیاط کے ساتھ خط کو پکڑا کہ جیسے کوئی خوفناک زہریلا جانور ہو، اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک خادم کو خط تھماتے ہوئے فرمایا کہ پڑھو۔ میں اس بات سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ کسی ایسی چیز کو ہاتھ لگاؤں جس کو کسی ظالم کے ہاتھوں نے چھوا ہو۔

خط پڑھا گیا۔ حضرت سفیان نے انتہائی استعجاب کی کیفیت میں مسکراتے ہوئے فرمایا اس ظالم کا جواب اسی کے خط کی پشت پر لکھ دو۔ توجہ دلائی گئی کہ یہ خط خلیفہ وقت کو جائے گا، مناسب تھا کہ کسی صاف ستھرے کاغذ پر جواب لکھا جاتا، فرمایا اس کی پشت ہی پر لکھو اگر اس نے حلال ذریعہ سے اس کاغذ کو حاصل کیا ہے تو اسے اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اگر حرام و ناجائز طور پر حاصل کیا ہے تو وہ خود اس کو جہنم میں لیکر جائے گا۔ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز رہے جس کو ظالم ہاتھوں نے چھوا ہو اور اس سے ہمارے دین میں خلل آئے، مزید کچھ کہنے کی کسی کو مجال نہ تھی کاتب نے پوچھا کیا لکھیں، فرمایا لکھو،

بندۂ ناچیز سفیان کی طرف سے، امیدوں کے فریب خوردہ اس ہارون کے نام جس سے حلاوت ایمان اور قرآن کی لذت چھن چکی ہے۔ اما بعد۔ میں نے تم سے رشتہ کاٹ لیا محبت ختم کر دی۔ تم نے خط بھیج کر مجھے اپنے خلاف گواہ بنا لیا تم نے مسلمانوں کا مال ان کی مرضی کے بغیر بے محل صرف کیا ہے تمہارے اس عمل سے وہ لوگ جو تالیف قلب کے مستحق تھے نیز مجاہدین اہل علم یتیم اور بیوائیں اور عمال حکومت مطمئن اور خوش ہو گئے ہیں؟ تم اس سوال کا جواب تیار رکھو، عذاب خداوندی سے بچنے کے لئے کوئی چارہ ڈھونڈھو جلد ہی تم قادر مطلق اور عادل حاکم کے سامنے کھڑے ہو گے رعیت کے بارے میں خدا سے ڈرو، امت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرو۔ اس صورت میں تم کیا منہ دکھاؤ گے جبکہ زہد و تقویٰ۔ تلاوت قرآن، نیکو کاروں کی ہم نشینی کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہو اور اپنے کو ظالم اور ظالموں کا قائد بنا لیا ہے۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔ تم پر کیا بیتے گی۔ جب قادر مطلق کا منادی آواز دے گا کہ ظالموں کو اور ان کے مددگاروں کو جمع کرو ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تم خدا کے سامنے اس طرح آؤ گے کہ تمہارے ہاتھ تمہاری گردنوں سے بندھے ہوں گے اور ان کو تمہارے عدل و انصاف اور غریب پروری کے سوا کوئی طاقت نہ کھول سکے گی۔ تمہارے آگے پیچھے ظالموں کا گروہ ہوگا۔ اور تم ان کے امام ہو گے انھیں لے کر آگ کی طرف چلو گے اپنی نیکیوں کو دوسروں کی ترازو میں رکھو گے اور دوسروں کی برائیاں کو اپنی ترازو میں پاؤ گے، ہارون - خلافت تمہارے پاس سے غیر کے پاس جانے والی ہے اس دنیا کی یہی ریت ہے، یہاں کوئی خوش نصیب ہوتا ہے اس سے اپنی آخرت سنوار لیتا ہے، کوئی ہوا و ہوس کا بندہ ہوتا ہے اس سے اپنی دنیا و آخرت دونوں برباد کرتا ہے۔ تم اپنے بارے میں سوچ لو کہ نفع اٹھانے والوں میں ہو کہ نقصان؟ خبردار اس کے بعد مجھے کوئی خط نہ لکھنا میں جواب نہ دوں گا۔

خط کا مضمون ختم ہوا اور ایسے ہی کھلا ہوا عباد کی طرف پھینک دیا۔ .... عباد پر اس شان بے نیازی کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے درباری شاہی کی پوشاک اتار دی۔ اون کا جبہ اور عبا پہن لیا اور ننگے پاؤں ہارون کے پاس حاضر ہوا۔ ہارون عباد کو دیکھ کر مضطرب و پریشان ہو گیا سر پیٹنے لگا، اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا۔ اور کہنے لگا غلام کامیاب ہوا آقا محروم رہا۔ ہمارا دنیا سے کیا تعلق؟ ملک جلد مجھ سے چھن جائے گا، عباد نے ہارون کو حضرت سفیان کا خط پڑھا دیا۔ اب ہارون کی عجیب کیفیت تھی خط پڑھتا جا رہا تھا اور زار زار روتا تھا۔ بعض درباریوں نے کہا کہ امیرالمومنین سفیان نے بڑی جرأت کی ہے اس کو گرفتار کر لیں تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ ہارون کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہا کہ دنیا کے غلامو۔ سفیان کو انھیں کے حال پر رہنے دو۔ فریب خوردہ تو وہ ہے جس کو تم دھوکا دو، بدنصیب وہ ہے جس کے ساتھ تم دنیا دار لوگ بیٹھو۔ سفیان تو خود ایک دنیا ہے۔

* * *

سچی کہانی

تحریر: ایڈیلا
ترجمہ: عبدالغفار انصاری

ہیٹ کی خاطر

۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو کمال اتاترک نے ترکی میں لباس سے متعلق ایک قانون جاری کیا۔ اس قانون کے بموجب کوئی شخص سر پر سوائے ہیٹ کے کوئی دوسری چیز نہیں استعمال کر سکتا تھا۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے خود مختار عدالتیں قائم کی گئیں، سیکڑوں مقدمے اس عدالت میں پیش ہوئے۔ ذیل کا مقدمہ بھی اسی عدالت سے متعلق ہے۔

پس منظر

جیل کی کوٹھری میں شیخ عاطف آفندی جو قاہرہ کے کسی مدرسہ کے استاد ہیں بیٹھے کچھ لکھ رہے ہیں ان کے پاس ہی مولوی طاہر سو رہے ہیں۔ مولوی طاہر کے اصرار پر شیخ عاطف اپنا معافی نامہ تیار کرتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔

صبح کو مولوی طاہر نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور پھٹے ہوئے کاغذ کے ٹکڑوں کو دیکھ کر شیخ عاطف سے سوال کرتے ہیں کہ معافی نامہ تم نے کیوں پھاڑ دیا۔ شیخ عاطف ان سے رات کا خواب بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کیا تم کو مجھ سے ملاقات کا اشتیاق نہیں ہے؟ دونوں رونے لگتے ہیں۔

پہلا منظر

عدالت کا کمرہ (انقرہ میں) جج اور عدالت کے اراکین اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں ملزم کے کٹہرے میں شیخ عاطف آفندی کھڑے ہیں ان پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے ایک ایسے رسالہ کی اشاعت کی جس میں پردہ کی موافقت اور ہیٹ پہننے کے خلاف مضامین ہیں۔ کئی ماہ قید خانہ میں گذرنے کے بعد آج ان کی پیشی ہوئی ہے اور اس پیشی میں اگر شیخ اپنے کو بے گناہ ثابت نہ کر پائیں گے تو عدالت فیصلہ صادر کر دیگی۔

جج۔ (شیخ عاطف کو مخاطب کر کے)! تمھارے اوپر یہ الزام ہے کہ تم نے ایک رسالہ ہیٹ پہننے کے خلاف شائع کیا۔ یقیناً یہ تمھارا انتہائی سنگین جرم ہے

شیخ عاطف۔ میں نے یہ رسالہ قانون جاری ہونے سے پہلے لکھا تھا اس وجہ سے میں بری الذمہ ہوں۔

جج۔ عدالت اس کے متعلق تحقیق کرے گی اس وقت تمھیں اپنے دماغ میں کچھ کہنا ہے

شیخ عاطف۔ میں بہرحال بری الذمہ ہوں اس لئے دماغ کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

(حیرت اور غصے کی ملی جلی آوازیں)

جج۔ (وکیل کو مخاطب کر کے) تمھارا بیان کیا ہے؟

وکیل۔ میں عدالت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ ملزم کو جیل کی سزا سے نجات دی جائے۔

(جج مشورہ کیلئے عدالت برخواست کرتا ہے)

عدالت کے اراکین مشورہ کے لئے کمرہ میں جاتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد لوٹ آتے ہیں۔

جج۔ (فیصلہ سناتے ہوئے) عدالت نے بالاتفاق بڑائے شیخ عاطف کو پھانسی کی سزا دینے کا فیصلہ کیا ہے کیوں کہ انھوں نے اپنے رسالہ میں ہیٹ کے خلاف مضمون لکھ کر اپنے باغیانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔

عدالت پر موت کا سناٹا چھا جاتا ہے اور سپاہی شیخ عاطف کو لیکر باہر نکلتے ہیں ان کے منہ سے یہ آواز آرہی ہے "ظالموں پر ایک دن ایسا آئے گا جب وہ یہ کہیں گے (تاللہ لقد آثرک اللہ علینا)

دوسرا منظر

(انقرہ میں دارموس کا علاقہ)

صبح کے دھندلکے میں وہ پھانسی گھر دکھائی دے رہا ہے جو الحاج بیرام کی مسجد والی سڑک کی دوسری جانب واقع ہے شیخ عاطف آفندی کو پھانسی گھر کے ویٹنگ روم میں لایا جاتا ہے ان کے جسم پر اس وقت سفید کرتا ہے ان کے ساتھ ہی جیل کا اسٹاف، جلاد اور چند اور لوگ بھی آتے ہیں شیخ کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہیں پھانسی کا حکم نامہ ان کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں (عالم ابدی کے دروازے کھل جاتے ہیں) وصال کی گھڑی قریب آرہی ہے شیخ کے ہونٹ بغیر آواز دعا میں مشغول ہیں۔

شیخ کے قدم آہستہ آہستہ اسٹیج کی جانب اٹھتے ہیں اور زینے طے کر کے اوپر پہونچ جاتے ہیں۔

عدالت کا ایک رکن پھانسی کا حکم نامہ سنا کر آخری خواہش پوچھتا ہے۔

شیخ عاطف کلمہ شہادت پڑھ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔

جلاد آگے بڑھ کر شیخ عاطف کے پیروں کے نیچے والی کرسی کو دھکا دیتا ہے ان کا جسم ہوا میں معلق ہو جاتا ہے اور گلے کا پھندہ کس جاتا ہے۔

الحاج بیرام کی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز آرہی ہے اللہ اکبر — اللہ اکبر — شیخ عاطف کا جسم ہوا میں معلق ہے بادِ نسیم کے جھونکے ان کے چہرہ کو قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

مسلمان آتے ہیں اور باچشم نم اس منظر کو دیکھ کر مسجد میں نماز کے لئے داخل ہو جاتے ہیں۔

تیسرا منظر

شیخ عاطف کی پھانسی پر کئی برس گذر گئے ہیں ہمیں لوگ اس واقعہ کو بھول چکے ہیں، سابق جج بوڑھے ہو جاتے ہیں اور ایک خطرناک بیماری کے سبب ان کو اسپتال میں داخل کیا جاتا ہے۔

کمرے کے سامنے دو نوجوان ڈاکٹر کھڑے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

پہلا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اب میرے اندر اس مریض کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہے۔

دوسرا۔ کیوں؟

پہلا۔ میری دعا ہے کہ خدا کسی کو ایسا مرض نہ دے، میں نے آج تک ایسا خطرناک مرض نہیں دیکھا۔

اف خدایا! اس کا پیشاب منھ سے خارج ہوتا ہے اور پوری جگہ پیشاب اور نجاست میں ملوث ہے۔۔۔۔۔ انتہا یہ ہے کہ اس کو موت بھی نہیں آتی ہے کہ۔۔۔ اس تکلیف سے چھٹکارا ہی مل جائے۔ وہ اسی نجاست میں درد اور تکلیف سے لوٹتا رہتا ہے اور درد کی شدت سے لحاف اور دوسری چیزوں کو پھاڑتا ہے نوچتا ہے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر کوئی بھی تیماردار یا ڈاکٹر اس کے قریب آنے کی ہمت نہیں کرتا۔

دوسرا ڈاکٹر آہستہ آہستہ قریب آتا ہے اور آہستگی سے دروازہ کھولتا ہے۔ درد اور تکلیف سے ڈوبی ہوئی ایسی چیخیں سنائی دیتی ہیں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کمرے کے اندر ناقابل برداشت بدبو آرہی ہے۔

اف — توبہ

دونوں ڈاکٹر تیزی سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

بقیہ۔ دلچسپ معلومات

سے سوسائٹی کے مصارف ادا کئے جاتے ہیں جو سیاح لوزیانہ ریاست کی سیر کو جاتے ہیں۔ ان کی سیر کو مکمل سمجھا نہیں جاتا جب تک وہ ان درختوں کے درمیان ٹھہر کر قدرتی نظاروں سے لطف اندوز نہ ہوں آج تک ان درختوں کی لاکھوں تصویریں لوگوں کے گھروں کی زینت بن چکی ہیں۔

اس سوسائٹی کے قیام نے لوزیانہ، فلوریڈا، جارجیا، مسیسپی وغیرہ کے ان قدیم، خوبصورت اور سایہ دار شاہ بلوط کے درختوں کو کاٹ لئے جانے سے بچا لیا۔ جو آج بھی ان امریکی ریاستوں کی شاہراہوں کو اپنی خوبصورتی اور گھرے سایے سے جاذب نظر بنائے ہوئے ہیں۔

امریکہ کی ان ریاستوں کے علاوہ دنیا کے کسی اور خطہ میں ایسی انجمن کا وجود نہیں پایا جاتا

(بشکریہ ہما ڈائجسٹ دہلی)

جنوبی ہند میں ایک سرچشمۂ علم و حکمت

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم اے پی ایچ ڈی۔ ریڈر شعبۂ عربی، ونکٹیشور یونیورسٹی۔ آندھرا

جنوبی ہند میں ایسے خاندان ہیں جو صدیوں سے اس علاقہ میں سرچشمہ ہائے علوم نبوت ہیں، اسی طرز کا ایک خاندان قاضی بدرالدولہ کا مدراس میں قیام پذیر ہے جس نے ہر دور میں ممتاز علماء کے ذریعہ امت کی خدمت کی ہے۔ آج بھی محقق اسلام ڈاکٹر حمید اللہ اس علمی و دینی خاندان کی پیشانی کا نور ہیں اور ہندوستان کے لئے باعث فخر۔ ۴ سو برس سے اس خاندان میں علوم اسلامیہ کا چراغ روشن ہے۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

مدراس میں یہ پورا خاندان ایک ہی مقام پر آباد ہے جس کا "دیوان صاحب باغ" ہے یہاں ایک عربی مدرسہ، مدرسہ محمدیہ کے نام سے قائم ہے۔ غالباً اس میں طلبہ اب کم ہیں لیکن جو چیز فکر و نظر کے لئے باعث کشش ہے وہ یہاں کا کتب خانہ ہے کتب خانہ دیوان محمدی" عربی و فارسی کی نادر کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:-

مخطوطات۔ ۱۱ ہزار
مطبوعات۔ ۲۰ ہزار
فارسی میں شاہی فرامین۔ ایک لاکھ

مدراس میں علوم اسلامیہ کا اتنا بڑا ذخیرہ اور کہیں موجود نہیں۔ بعض مخطوطات نہایت نادر ہیں اور دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے یکتا ہیں ان کتابوں اور کتب خانوں کے علاوہ ہیں جو اس خاندان کے افراد نے مدراس کے علاوہ دوسرے مقامات پر قائم کر رکھے ہیں۔ مثلاً حیدرآباد میں جو مشہور عالمی کتابوں کی لائبریری، "کتب خانہ سعیدیہ" کے نام سے ہے وہ بھی اسی خاندان کے لوگوں نے قائم کی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غالباً اس علمی خانوادہ کے اہل حل و عقد کو اس غفلت کا احساس ہو گیا ہے اور وہ تمام کتابوں کو مدراس لانا چاہتے ہیں۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ مخطوطات کی دوسری قسم ایک لاکھ سے زائد ان فرامین کی ہے جو نواب والا جاہ اور انگریزوں کے درمیان لکھے گئے، یا دوسرے اشخاص سے متعلق ہیں یہ فرامین فارسی میں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے بغیر جنوبی ہند میں تاریخ تشنہ رہے گی۔ انگلینڈ یونیورسٹی کے ایک ریسرچ اسکالر مسٹر ہان گرنے نے صحیح کہا ہے کہ اگر یہ فارسی دستاویز میں غائب ہو گئیں تو ... کے پاس دولت جاہی دور کا معتبر علمی مواد باقی نہ رہ جائے گی۔ اس ذخیرہ میں عادل شاہی خاندان کا علمی ذخیرہ موجود ہے۔

ان فرامین اور اس خاندان کے ہاتھ کی منقولات کتابیں دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔

عجب رنگ و نور کی دنیا نظر آتی ہے مسلم خطاطی کا نمونہ کمال دیکھنا ہو تو اس کتب خانہ کے مخطوطات پر ایک نظر ڈالئے رنگوں کی بوقلمونی اور توازن نگاہوں کے سامنے پھولوں کی سی رنگینی، رعنائی اور شگفتگی کا منظر پیدا کر دیتی ہے اور فخر محسوس ہوتا ہے کہ اس دور کی ایک زندہ علمی یادگار پوری آب و تاب کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔ علمی دنیا کے یہ موتی شاہوں کی طرح افراد خاندان میں بکھرے ہیں۔

مسلم ممالک کے علماء سے اس خاندان کی جو خط و کتابت عربی و فارسی میں ہوتی تھی اس کا ذخیرہ بھی موجود ہے۔ ہندوستان کے اہل علم کے خطوط بھی محفوظ ہیں ایک ایسی ڈائری ہے جس میں بالکل ابتدائی طور پر صدیوں کے خاندانی زندگی کے واقعات کا نادر ریکارڈ موجود ہے۔

کتابیں مختلف جزدانوں کے اندر ملفوف ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ بغیر کسی اجتماعی کوشش کے کس طرح انفرادی طور پر خاندان کے مختلف لوگوں نے الگ الگ اپنے گھروں میں اس عظیم ذخیرے کو اب تک محفوظ رکھا۔ اب کتب خانہ کے لئے ایک چھوٹی سی عمارت بن گئی ہے جو اس کے لئے قطعاً کافی نہیں۔

ان کتابوں کی نہ کوئی فہرست ہے اور نہ کوئی ترتیب۔ ڈاکٹر محمد غوث مدظلہ فہرست کی تیاری کی سعی میں مصروف ہیں۔

دوستانہ کی بنانے کے برتن، روزگاری کے آلات، مختلف طرز کے سکے، مہریں اور ایسی بے شمار چیزیں بھی موجود ہیں جو ایک اچھے علمی میوزیم کے کام آسکتی ہیں۔

اس خاندان کے لوگ ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے ماشاءاللہ دیندار نظر آئے۔ یہ علمی میراث ذہانت کے ساتھ ملت اسلامیہ کے لئے باعث فخر ہے۔ ع

"دا تا آباد رکھے رونق تیری محفل کو"

تمنائے اختر

اختر علی ندوی

مئے توحید پینا چاہتا ہوں
منور اپنا سینہ چاہتا ہوں

کہاں؟ دل کھول کر دیکھا مدینہ
الہٰی کچھ اور جینا چاہتا ہوں

تمنا ہے کہ پھر دیکھوں مدینہ
شفاعت کا نگینہ چاہتا ہوں

یہی حسرت! یہی حسرت ہے میری
دم آخر مدینہ چاہتا ہوں

فنا ہو جاؤں میں حُبِّ نبی میں
محبت کا خزینہ چاہتا ہوں

رہے طاعت کا جذبہ دل پہ طاری
تری طاعت میں جینا چاہتا ہوں

میسر ہو مجھے اب ذکر قلبی
یہی روز و شبینہ چاہتا ہوں

توجہ ہو الٰہا میرے دل پر
فروزاں اپنا سینہ چاہتا ہوں

دلِ ناصاف کو اب صاف کر دے
مصفیٰ آبگینہ چاہتا ہوں

یہی خواہش ہے تو اپنا بنا لے
رضائے حق میں جینا چاہتا ہوں

گنہوں سے دبا جاتا ہوں یارب
ترحم کا خزینہ چاہتا ہوں

الہٰی اب مجھے تو معاف کر دے
معافی سے سکینہ چاہتا ہوں

تو ہی مولا مرا اور میں ہوں بندہ
عبودیت کا مینا چاہتا ہوں

ترا جلوہ ہو اور اختر کی آنکھیں
میں اب اسطرح جینا چاہتا ہوں

بقیہ اداریہ

تمہاری اصل تہذیب اور تمہارا اصل سرمایہ دبا ہے جو فرانسیسیوں اور انگریزوں نے زمین کھود کھود کر بڑی محنت و مشقت سے تمہارے لئے نکالا تھا" المیثاق الوطنی" میں فرانسیسی حملہ کے فوائد و عطیات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔

وجاءت معها بعثات من العلوم الحديثة التي طورت الحضارة الاوربية بعد ان اخذتها عن غيرها من الحضارات والحضارة الفرعونية والعربية في مقدمتها، كذلك جاءت معها بالاساتذة الكبار الذين قاموا بدراسة احوال مصر بالكشف عن اسرار تاريخها القديم ويكون هذا الزاد يحمل في طياته ثقته بالنفس كما كان يحمل آفاقا جديدة تشد خيال الحركة المتحفزة للشعب المصري

اس کے ساتھ فرانسیسی حملہ جدید علوم کی وہ جھلکیاں بھی لائیں جن کو یورپ نے دوسری تہذیبوں سے اخذ کر کے نئے قالب میں ڈھال لیا تھا۔ ان تہذیبوں میں سب سے پیش پیش فرعونی اور عربی تہذیب تھی۔ اسی طرح اس کے ساتھ بہت بڑے محققین اور ماہرین بھی آئے جنھوں نے مصر کے حالات کا مطالعہ کیا اور اس کی تاریخ قدیم کے اسرار فاش کئے یہ نیا سرمایہ ایک طرف خود اعتمادی پیدا کرتا تھا دوسری طرف اس کے پاس کچھ نئے آفاق تھے جو مصری قوم کی پرجوش تحریک کی فکر کے لئے مہمیز کا کام کر رہے تھے۔

ہزاروں برس پرانی تہذیب کا یہی تخیل تھا جس نے ۱۹۶۷ء تک پہونچتے پہونچتے، ہزار برس پرانی تہذیب کی باضابطہ اور متعین شکل اختیار کر لی۔

۹ مارچ ۱۹۷۰ء کو دمشق میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے بار بار عرب اتحاد کی قدامت کا ذکر کیا اور یہ شبہ دور دیا کہ ہمارے اس عربی اتحاد کی جڑیں اور خاص ہزاروں برس پرانے زمانے میں پیوست ہیں انھوں نے کہا کہ ہزاروں برس سے عرب عوام حملہ آوروں کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حقیقی یہ حالات کا فطری بہاؤ اور اشیاء کا صحیح ارتقاء ہے یہ دلوں کا اتحاد ہے جو ہزار ہا برس سے قائم ہے۔ یہ منطقہ ہزاروں برس سے عرب منطقہ ہے اور غیر ملکی حملہ آوروں کے مقابلہ کے لئے یہ عرب

؎ ۱۰ المیثاق الوطنی ص ۱۲

عرب ہمیشہ سے شانہ بشانہ ہو کر لڑتے رہے ہیں۔؎ فرعونیت کی اسی میراث کی حفاظت

قول و عمل کا تضاد

کے لئے ان کو کبھی کبھی اسلام کا بھی سہارا لینے کی ضرورت پیش آئی ہے اگرچہ اس کی مقدار اور تعداد بہت کم ہے لیکن یہاں پہونچ کر ان کی شخصیت اور زیادہ بے نقاب ہو گئی ہے۔ (باقی آئندہ)

؎ خطبات جمال عبد الناصر (انگریزی) جلد متعلق ۱۹۵۸ء شائع کردہ وزارت اطلاعات قاہرہ ص ۹۲

بقیہ مورخ عظیم۔ ابن خلدون

کیا ہے جس میں انہوں نے زندگی گذاری تھی اسی طرح اس زمانہ کے حالات کی صحیح اور سچی تصویر بے پردہ ہو کر سامنے آگئی ہے۔

عالمی شہرت:

انھوں نے بہت سی علمی ادبی تاریخی کتب تالیف کی ہیں جن کی کوئی مثال نہیں لیکن مشہور زمانہ مورخ کو قبول عام اور شہرت اٹھارویں صدی عیسوی میں حاصل ہوئی اور میں بلا مبالغہ یہ بات کہتا ہوں کہ عربوں نے ان کی اور ان کی مولفات کو بہت آخر میں اہمیت دی۔ ڈاکٹر طہ حسین عصری جو اپنی ادبی و تاریخی تنقید میں بہت مشہور رہیں انھوں نے بھی ان کا اعتراف نہیں کیا ہے بلکہ ان کو ایک ناکام اور انانیت پسند انسان قرار دیا ہے اور فکری حیثیت سے بالکل ناکام۔ بعض نے ان کو عربوں کا دشمن اور بربر کا دوست گردانا ہے۔

بہر حال ان کے مقدمہ کا ترجمہ پہلی مرتبہ ترکی زبان میں ۱۷۳۰ء میں ہوا پھر فرانسیسی زبان اور انگریزی زبان میں ہوا۔ روز نتھال" امریکی عالم نے مقدمہ کا پورا ترجمہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے یورپ کے طلبہ اس سے بہت استفادہ کر سکتے ہیں۔ مغربی مورخ اس نادر کتاب پر خاص توجہ کرتے ہیں اس وجہ سے کہ اس میں وہ تاریخی مواد ہے جس سے عظیم مورخ نے واقعات و حقائق کی روشنی میں انسان کے عمرانی و جغرافیائی مزاج کے توسط سے تاریخ کا استنباط کیا ہے۔

مورخین مغرب کے مقدمہ ابن خلدون کے ساتھ خاص اہتمام نے مشرق کو علمی نیند سے بیدار کر دیا ہے اب مشرق ابن خلدون کی تاریخی نکتوں کی طرف متوجہ ہوا ہے اور مختلف اسلامی ممالک میں ان کا اسقدر احترام شروع ہو گیا ہے کہ ان کا پہلا یادگاری جلسہ قاہرہ میں ۱۹۶۲ء میں منعقد ہوا پھر دوسرا جلسہ اسی سال مراکش رباط میں منعقد ہوا اور علمائے ہند و پاک اور ایران کے علما تو برابر ان کی مولفات کی قدر کرتے رہے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی بعض تالیفات مدارس اور یونیورسٹیوں کے نصاب درس میں آج تک داخل ہیں

آخر میں یہ بات عرض کرنی ہے کہ بہت سی ایسی درخشاں شخصیات کے معاصر رہے جنھوں نے ان کے لئے علم و ادب کے میدان میں بڑھنے کا موقع فراہم کیا اور یہ فکری و ادبی اور تاریخی تخلیق میں ان میں سے کسی سے پیچھے نہیں رہے اگر اس زمانہ کے علماء نے ان کی نادر و بلیغ فکر سے حاصل شدہ اشیاء کی قدر نہیں کی تو اس میں آنے والی نسلوں نے ابن خلدون کی عبقریت کا پورا اعتراف کیا ہے اور ان کو ان کے شایان شان مقام عطا کیا ہے۔

معاصرین:

ان کے معاصرین میں سے چند نام یہ ہیں، فیروز آبادی صاحب القاموس، قلقشندی جامع صبح الاعشی، مقریزی صاحب کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار، لسان الدین بن خطیب، کمال الدین دمیری صاحب حیاۃ الحیوان، اگر ان میں کا ہر ایک فرد علماء و فضلا کا مرجع تھا تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن خلدون علماء مشرق و مغرب سب کا مرجع اور سب کے لئے متفق علیہ شخصیت کے مالک تھے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ہم نہایت افسوس کے ساتھ قارئین تعمیر حیات کو اطلاع دیتے ہیں کہ مولانا سید طلحہ صاحب ایم اے کا کراچی میں ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء مطابق ۲۲ رجب ۱۳۹۰ھ بروز جمعہ ۹ بجے صبح کو پندرہ روز شدید بخار کے بعد انتقال ہو گیا۔

مولانا مرحوم ندوہ کے شروع دور کے طالب علم تھے ۱۳۰۸ھ میں ٹونک میں پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں لکھنؤ آئے اور مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی اور دوسرے اساتذہ سے ندوۃ العلماء میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی، پھر ٹونک واپس ہو کر مدرسہ ناصریہ میں مولانا حیدر حسن خانصاحب محدث اور مولانا سیف الرحمن صاحب سے درسی کتابیں پڑھیں اس کے بعد لاہور جاکر علوم شرقیہ کے امتحانات دیئے۔ پھر دہلی میں حکیم غلام رضا خانصاحب شریفی سے طب پڑھی اس کے بعد چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ۱۳۳۵ھ میں اورنٹیل کالج لاہور میں پروفیسر ہوئے مولانا کو اللہ تعالیٰ نے ہر علم میں درک نصیب فرمایا تھا حدیث، سوانح، تاریخ، فلکیات، ریاضی میں ید طولیٰ تھے عربی فارسی اردو کے بے شمار اشعار نوک زبان تھے ۱۳۶۶ھ میں پاکستان تشریف لے گئے۔ ۱۳۷۷ھ میں مصر و شام اور قسطنطنیہ کا دورہ کیا۔ اور نادر و نادر کتب خانوں کی سیر کی۔ اپنی یادگار ایک صاحبزادہ داؤد چھوڑا۔ تصنیفات میں "عہد صحابہ کا تمدن، ثقافت اور حضرت ام سلمیٰ" ہیں۔ افسوس کہ پندرہ سال سے ان سے نیاز حاصل نہ ہوا۔ ان کے انتقال سے علم و فضل کی ایک اور شمع بجھ گئی اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

عالم اسلام

ایک ہندوستانی مسلمان کے ذریعہ کوریا میں اشاعت اسلام

سید المختار الندوی

جنوبی کوریا میں اسلام کی تیزی سے ہوتی مقبولیت اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ اسلام کو پھیلنے کیلئے طاقت اور جنگ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انسان کے دل کی گہرائی اس کے ضمیر کی بیداری نیز قناعت کے جذبہ اور نجات کی تمنا سے ہے۔

۱۹۵۳ء سے کچھ پہلے تک کوریا میں ایک بھی مسلمان کا وجود نہیں تھا اس سے پہلے ترکی نے اپنے ایک فوجی دستہ کو اقوام متحدہ کی فوج کے ماتحت وہاں قیام کی اجازت دی نیز اس نے ان نوجوان کی اسلامی طاقت کو باقی رکھنے کے لئے ایک مسجد کی تعمیر بھی ضروری سمجھی تاکہ مسلمان اپنے مذہبی فرائض آسانی سے ادا کر سکیں۔ اس مسجد کی تعمیر سے کوریا والوں نے پہلی بار اپنے اندر ایک روحانی سکون محسوس کیا، اور ان کو اندازہ ہوا کہ یہی وہ طاقت ہے جو ایک مسلمان کو حالت جنگ میں بھی فرائض و واجبات کی ادائیگی میں مشغول رکھتی ہے

سرزمین کوریا پر اللہ نے اپنا فضل کیا اور وہاں اس کے دو سو نام لیوا پیدا ہو گئے اس کے بعد مسلمانوں نے اسلام کی مزید معلومات کے لئے اپنے دو آدمی منتخب کر کے کراچی بھیجے یہ دونوں نمائندے پاکستان آکر سید جمیل صاحب سابق اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان سے ملے (جو اصلاً بجنور (یوپی) کے باشندے ہیں) انھوں نے ایک سال تک ان کو اسلام کی تعلیم میں مشغول رکھا اور فریضہ حج بھی ادا کرایا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد یہ دونوں اپنے وطن واپس آئے اور اشاعت اسلام میں مشغول ہو گئے ان میں سے ایک جن کا نام الحاج صبری سوہ ہے سیئول میں اتحاد اسلامی کے صدر ہیں آج ان کی کوششوں کے نتیجہ میں وہاں کے مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے زائد ہے ان میں سو [illegible] کے علاوہ ہیں پچاس یونیورسٹی کے طلباء ان طلباؤں میں جج، صحافی اور مدرسین سب شامل ہیں۔

کوریا کے مسلمان ہر ماہ دو رسالے انگریزی اور کوریائی زبان میں شائع کرتے ہیں وہاں کے مسلمانوں کا ایک ماہانہ تبلیغی اجتماع بھی ہوتا ہے

کوریا میں اسلام کی ترقی کے امکانات بہت روشن ہیں، لیکن ضرورت ہے کہ مخلص علماء اور فارغین مدارس اس طرف توجہ کریں اور اس سرزمین کو خطہ عمل بنائیں کوریا کی ستر فیصد آبادی ایسی ہے جس کا کوئی مذہب نہیں ہے، نہ ان تک ابھی تک مشن والے پہونچ سکے ہیں اور نہ ان کے دماغ میں قرآنی عقیدہ سے متعلق کوئی خیال قائم ہوا ہے

اگر اسلامی ممالک کے مبلغین اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کام کریں تو کوریا میں مسلمانوں کی تعداد بآسانی دس لاکھ تک پہونچ سکتی ہے

سید محمد جمیل صاحب جن کی عمر اس وقت ۸۰ سال کی ہے ایک عالمی سیاحت کا پروگرام بنا رہے ہیں جس میں وہ اسلامی ممالک کا خاص طور پر دورہ کریں گے اور کوریا کے مسلمانوں کی حسب ذیل ضرورتوں کو پیش کریں گے۔

- ایک چھوٹی جامع مسجد کا قیام
- ایک مدرسہ کا قیام جس میں دو بسیں ہوں تاکہ دور کے رہنے والے لڑکوں کو مدرسہ آنے میں سہولت ہو۔
- مسجد سے ملحق ایک اسلامی لائبریری کا قیام
- اسلامی ممالک میں غیر ملکی بھائیوں کی ایک تنظیم قائم ہو جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو عقائد صحیحہ کی تعلیم دی جا سکے
- کوریا میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ایسے مبلغین بھیجے جائیں جو عربی اور انگریزی اچھی طرح جانتے ہیں۔
- اسلامی ممالک کی جانب سے کوریا والوں کو دینیات کی ایسی کتابیں مہیا کی جائیں جن کے ذریعہ ان کی نئی نسل دین سے واقف ہو سکے۔
- قرآن کا ترجمہ اور اسکی تفسیر کوریائی زبان میں کر کے ان کے لئے مہیا کی جائے کچھ دینی کتابیں بھی اس زبان میں شائع کی جائیں

اب اسلامی ممالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ سید محمد جمیل صاحب کی اس پکار کو سنیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

رابطہ عالم اسلامی کو اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے قبل اس کے کہ وہاں یہودیت اور عیسائیت جیسے مذاہب اپنے قدم جمالیں وہاں کے عوام کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرا دینا چاہئے۔

(بشکریہ الندوہ، مکہ معظمہ)

دلچسپ معلومات

دنیا کی عجیب ترین انجمن

(ٹی۔ ہلمن)

یہ دنیا قسم قسم کی سیاسی معاشی سماجی مذہبی اور ادبی ہر طرح کی انجمنوں سے بھری پڑی ہے۔ لیکن امریکہ کی ریاست لوزیانہ میں ۴۶ سال پرانی ایک ایسی انجمن کا مرکزی دفتر ہے۔ جس کا صدر کوئی آدمی نہیں بلکہ خاموش درخت ہیں۔ اس انجمن کے اراکین کی تعداد ۲۸۳ ہے۔ ۴۶ سال تک اس کا صدر کسی روز بھی ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر ۲۰۰ برس کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا اس کے بعد صدارت کے فرائض انجام دینے والا بھی [illegible] سال سے [illegible] کر رہا ہے

حاصل [illegible] شاہ بلوط کے ان درختوں کی ہے جو لوزیانہ میں اگتے رہتے ہیں۔ اس سوسائٹی کا ممبر وہ درخت ہی ہو سکتا ہے جس کی عمر سو برس سے کم نہ ہو۔ صدارت کے لئے اس درخت کو چنا جاتا ہے جو سب سے معمر ہو، تناور، خوبصورت اور سایہ دار ہو۔ اس سوسائٹی میں صدر، نائب صدر کے علاوہ بزرگ درختوں کی ایک کمیٹی بھی ہے۔ انجمن کی ایک دفعہ کی رو سے ہر درخت کا ایک وکیل ہونا ضروری ہے جو یا تو اس درخت کا مالک ہو یا اس کی نشوونما سے گہری دلچسپی رکھتا ہو۔

لوزیانہ یونیورسٹی کے [illegible] سالہ پنشن یافتہ باغبانی کے پروفیسر [illegible] اس انجمن کے [illegible] ہی ہے (جو ۱۹۳۴ء میں ہوئی) اس کی نگرانی کے ذرائع [illegible] کے درختوں کی انجمن بنانے کا خیال ڈاکٹر ایڈون لوس کے ذہن میں ۱۹۳۴ء میں پہلے پہل آیا۔ ان دنوں ان درختوں کو بے دردی سے کاٹا جا رہا [illegible] پیسہ کمایا جاتا [illegible] ان کی کٹائی کے خیال سے لوزیانہ کے [illegible] درخت [illegible] کو ختم کر دیا تھا۔ ان درختوں کی [illegible] کو روکنے کے لئے ڈاکٹر ایڈون نے اس سوسائٹی کے قیام کی تجویز کی جسے ان کے [illegible] ۱۹۳۴ء میں [illegible]

ایڈون کے انتقال کے بعد لوزیانہ کے باغات میوزیم کے ڈائرکٹر اسٹینلے آرتھر Stanely Arthur نے اس سوسائٹی کے ریکارڈ کی نگرانی کا ذمہ لیا۔

اس انجمن کی شاخیں امریکہ کی دیگر ریاستوں میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ سوسائٹی کا موجودہ صدر [illegible] نام کا وہ درخت ہے جس کے تنے کی گولائی ۳۸ فٹ ہے سوسائٹی کے قانون کی رو سے صرف وہ درخت ہی ممبر بن سکتا ہے جو کم از کم سو سال پرانا ہونے کے علاوہ ۱۷ فٹ گولائی کا تنا رکھتا ہو۔ اس سوسائٹی نے لوزیانہ میں اس قدر مقبولیت اور اثر حاصل کر لیا ہے کہ بغیر سرکاری اجازت نامے کی موجودگی کے کسی بھی ممبر درخت کو کاٹا نہیں جا سکتا۔

سوسائٹی کے ہر ممبر کو سال بھر [illegible] شاہ بلوط کے پھل [illegible] ان کے پاس جمع کرنے ہوتے ہیں۔ ان پھلوں کی [illegible] ۱۲ [illegible] پر